قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۷۶ شمارہ: ۲

صفر المظفر: ۱۴۳۴ھ - جنوری: ۲۰۱۳ء

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زرِ سالانہ: ۳۵۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی 74800، پوسٹ بکس نمبر 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی 74800

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: Ext. 146 - 147 34121152 - 34123366 - 34913570

فیکس: +92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

www.banuri.edu.pk

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

مسجد و مدرسہ کا تقدس یا سینما گھر کی اہمیت؟	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ
حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ کی شہادت	۷	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

قرآن مجید کیا ہے؟ (۱)	۹	حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ
حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ (۱)	۱۳	حضرت مولانا تاج محمودؒ، فیصل آباد
اشک ہائے فراق بوفات الشیخ البنوری رحمہ اللہ	۲۲	حضرت مفتی محمد ولی درویشؒ
قدیم قرآنی مصاحف اور ملتِ اسلامیہ......(۲)	۲۴	مولانا محمد بلال بربری، استاذ جامعہ
ماہِ صفر کی بدعات اور ایک من گھڑت حدیث......	۳۴	مفتی محمد راشد ڈسکوی، جامعہ فاروقیہ
مساجد و مدارس کو سوئی گیس بم سے نشانہ......	۴۷	مولانا محمد حنیف جالندھری، ملتان

یادِ رفتگاں

مفتی محمد صدیق محمود کوٹیؒ کا سانحۂ ارتحال	۵۰	محمد صدیق محمود کوٹی، مدرسہ ابن عباسؓ
شیخ الحدیث حضرت مولانا نور محمدؒ	۵۹	مولانا محمود صاحب

دار الافتاء

کیا صرف دوگنا سود حرام ہے؟	۶۲	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

نقد و نظر

	۶۵	ادارہ

نقد و نظر

www.banuri.edu.pk

مسجد و مدرسہ کا تقدس یا سینما گھر کی اہمیت؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

ہمارا پورا ملک خصوصاً کراچی شہر' دہشت گردی، ٹارگٹ کلنگ، بم دھماکے، قتل وقتال، فتنہ وفساد، خوف وحزن، رنج والم کے مہیب ماحول اور مسموم ومغموم فضا کی لپیٹ میں ہے۔

کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ جس میں درجن یا نصف درجن سے کم لاشیں نہ گرائی جاتی ہوں، ان گرنے والی لاشوں میں بلاتفریق مرد، عورت، سنی، شیعہ، سیاسی، غیرسیاسی، مذہبی، غیرمذہبی، ہرطبقہ اور ہر جماعت سے وابستہ افراد شامل ہیں۔اگر سرسری طور پر بھی جائزہ لیا جائے تو تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق افراد' علماء ہوں یا طلبہ، صحافی ہوں یا وکیل، ڈاکٹر ہوں یا تاجر اس درندگی وبربریت کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔

آج حال یہ ہے کہ ہرآدمی شہر میں اپنی ضروریاتِ زندگی کے حصول، اپنے کاروبار کی دیکھ بھال یا نوکری وملازمت کے سلسلہ میں جب گھر سے نکلتا ہے تو جان ہتھیلی پہ رکھ کر جاتا ہے اور دوسری طرف روزمرہ کھانے پینے اور ضروری استعمال کی اشیاء مہنگی اور عام آدمی کی پہنچ سے اتنا دور کردی گئی ہیں کہ ان کا حصول اور قوتِ خرید ملازم پیشہ طبقہ کے لئے ایک خواب بن کر رہ گیا ہے۔ جب تک وہ اوورٹائم یا دوسری جگہ کام نہ کرے، اس وقت تک گھر کا چولہا جلانا اور گھریلوضروریات پوری کرنا مشکل اور پیچیدہ بنادیا گیا ہے۔''مرتا کیا نہ کرتا'' کے مصداق ہرآدمی اپنی زندگی داؤ پر لگاکر گھر سے باہر نکلتا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ شہر میں اتنا خوف وہراس، بداعتمادی اور انتشار برپا کردیا گیا ہے کہ ہر

آدمی دوسرے کے سائے سے بھی ڈرنے لگا ہے اور روہ اس سوچ میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ شاید یہ میری جان و مال کے درپے نہ ہو جائے یا مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے یہ دیکھتے ہیں کہ عام شریف شہری ان حالات کو کس تناظر میں دیکھتے ہیں یا ان حالات کی کیا عکاسی کرتے ہیں؟ اس کی ادنیٰ سی جھلک درج ذیل مراسلہ سے ہوتی ہے، جسے ماہنامہ بینات کے لئے محترم جناب سلیم احمد عثمانی صاحب نے بھیجا ہے، آپ بھی اُسے ملاحظہ فرمائیں، محترم لکھتے ہیں:

''ایک جنگل میں دو گائیں رہتی تھیں، ایک کا رنگ سفید اور دوسری کا کالا تھا، دونوں کی گہری دوستی اور رفاقت تھی، ہر وقت دونوں ساتھ رہتیں، اکٹھا کھاتی پیتی اور اکٹھے ہی سیر کرتیں۔ جنگل کے بادشاہ شیر کو ان دونوں کی دوستی بالکل نہ بھاتی، لیکن دوسری طرف وہ ان پر حملہ کرنے سے بھی گھبراتا کہ دونوں ہٹی کٹی گایوں کو بیک وقت پچھاڑنا شیر کے بس کی بات نہ تھی، شیر نے ان پر دھاوا بولنے کے لئے پلاننگ کی۔

شیر نے سفید گائے کو الگ سے سمجھانا شروع کیا کہ تم اپنی گوری رنگت کو تو دیکھو، اپنے سمارٹ اور خوبصورت جسم پر تو نظریں دوڑاؤ، اپنے رعب اور حشمت کو تو دیکھو اور پھر اپنی اس کالی کلوٹی مریل سہیلی پر بھی اک اچٹتی نگاہ ڈالو! تم دونوں کا ساتھ گھومنا تمہارے رعب کو غارت کرنے کے ساتھ ساتھ تمہاری خوبصورتی کو بھی برباد کر رہا ہے۔ ذرا ہوش کے ناخن لو اور اس کالی کے سحر سے خود کو نکالو، اس کے ساتھ گھومنا پھرنا بند کر دو اور میرے ساتھ سیر و تفریح کرو، اس سے تمہارے رعب میں اضافہ ہوگا، تمہاری خوبصورتی لوگوں کو نظر آئے گی۔ سفید گائے شیر کی مکاری کا شکار ہوئی۔

اگلے روز تنہا گھومتی کالی گائے کے خون سے شیر نے خود کو سیراب کیا اور ڈکار مارتے ہوئے سفید گائے سے مخاطب ہو کر کہا: اب تم اپنی جان کی خیر مناؤ! بھولی رانی بنے سفید گائے نے معصومیت سے کہا: راجو! تم نے تو کل مجھے اپنا دوست بنایا تھا، جس کی خاطر میں نے اپنی سہیلی کی قربانی بھی برداشت کر لی۔ شیر نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا: وہ تو میری چال تھی جو تم پر کارگر ثابت ہوئی، اب خود کو موت کے لئے تیار کر لو۔

سفید گائے نے شیر سے جنگل کے تمام جانوروں کو جمع کر کے نصیحت کرنے کی اپنی آخری خواہش کا اظہار کیا، شیر نے اس کی آخری خواہش پوری کرتے ہوئے جنگل کے تمام جانوروں کو جمع ہونے کا حکم دیا، جب تمام جانور جمع ہو گئے تو سفید گائے ان سے مخاطب ہو کر گویا ہوئی: اے جنگل میں بسنے والے جانورو! ابھی کچھ ہی دیر میں شیر تمہارے سامنے مجھ پر حملہ کر کے مجھے قتل کر دے گا، تمہارے سامنے تو میں ابھی قتل ہوں گی لیکن دراصل میرا قتل تو اسی روز ہو گیا تھا جس روز شیر نے کالی گائے کو موت کی نیند سلا دیا تھا، کیونکہ اگر کل میں شیر کی باتوں میں نہ آتی اور کالی گائے کو قتل نہ کرواتی

تو آج شیر مجھ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کرتا۔ اس کے بعد شیر نے سفید گائے پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔

سفید اور کالی گائے کا یہ قصہ تحریر کر کے قارئین کو تفریحی ماحول فراہم کرنا مقصد ہرگز نہیں، بلکہ اہل مدارس کی توجہ اس جانب مبذول کروانا مقصود ہے کہ .... ! جنگل میں حکمرانی کرنے والے شیر کی مانند اس ملک کے شاطر اور عیار حکمران جنگل میں بسنے والی سفید اور کالی گائے کی طرح اہل مدارس کو کبھی ایک ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، اسی لئے وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور ہر موقع کو غنیمت جان کر مدارس کے مابین پھوٹ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، ایک فریق کو اپنا حامی اور دوسرے کو اپنا دشمن بنا کر پیش کرتے ہیں اور اپنی ہر چال میں وہ شیر کی طرح کامیاب، جبکہ اہل مدارس سفید گائے کی مانند اُن کی ہر چال میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بغیر اطلاع دیئے ''اشرف المدارس'' پر چھاپہ مارنے کی یہ کوئی پہلی اور انوکھی کارروائی نہیں، بلکہ اس سے قبل بھی ایسی چھاپہ مار کارروائیاں معمول کا حصہ رہی ہیں۔ اس چھاپہ سے چند ماہ قبل ملک کی معروف دینی درسگاہ ''جامعہ دارالعلوم کراچی'' میں بھی اس طرح کی غیر اخلاقی کارروائی کی گئی، قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اس وقت بھی انتہائی خطرناک دہشت گردوں کی جامعہ میں موجودگی کی اطلاع ملی تھی، جس پر انہوں نے کمال چابک دستی کے ساتھ دھاوا بول دیا۔ جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کے ساتھ بدتمیزی بھی کی گئی۔ طلبہ کے صندوقچوں سے کپڑے، عمامے، ٹوپیاں، تسبیح، مسواک اور عطر کی شیشیوں جیسے خطرناک اور مہلک ہتھیاروں کے علاوہ جب ہاتھ کچھ نہ آیا تو طلبہ کے عماموں اور ٹوپیوں کو اسی طرح زمین پر بکھیر کر چند طلبہ کو تفتیش کے لئے اپنے ہمراہ لے گئے، جنہیں بعدازاں کوئی جرم ثابت نہ ہونے پر رہا کر دیا گیا۔

شہر میں موت کا خونی رقص جاری ہے۔ روشنیوں کا شہر سوگ کی تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ ''جامعہ احسن العلوم'' کے معصوم اور بے گناہ طلبہ کی زندگیوں کے روشن چراغوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گل کیا گیا، خوشیوں بھرے گھروں کو ماتم کدوں میں تبدیل کیا گیا، نئی نویلی دلہنوں کے سہاگ کو اُجاڑا گیا۔ ''اسلام'' کے نام پر بننے والے اس ملکِ خداداد پاکستان کی سرزمین نے وہ دن بھی دیکھے کہ ایک ہی دن میں چھ، چھ ہم مکتب فرشتہ صفت طالب علموں کو بارودی گولیوں سے بھون دیا گیا۔ صرف اس جرم میں کہ وہ کسی دینی مدرسے کے طالب علم تھے۔ ان چھ معصوم طلبہ کی خون میں لتھڑی لاشیں دیکھ کر تو آسمان بھی رویا ہوگا۔ ''قال اللّٰہ وقال الرسول '' کہنے والی ان پاک زبانوں کی خاموشی پر تو فضاء بھی غمگین ہوئی ہوگی۔ مگر تاریخ کے اس بدترین ظلم کو میڈیا کے سہارے چلنے والا ہمارا معاشرہ خاموشی سے سہہ گیا۔ مجال ہے کہ ہمارے ملک کے کسی سیاسی پنڈت نے تعزیت کی جسارت تک کی ہو۔

www.banuri.edu.pk

ایک ملالہ تو علم کا چراغ تھی ، روشنی کا مینار تھی ، بہادری کا نشان تھی ، جس کی خاطر امریکی ایماء پر ملالہ ڈے بھی منایا گیا، مختلف تقاریب بھی منعقد کی گئیں اور دیے بھی روشن کئے گئے ، گرما گرم تبصرے بھی ہوئے ، ٹاک شوز بھی ریکارڈ کئے گئے اور ''پڑھنے لکھنے کے سوا''، ''پاکستان کا مطلب کیا؟'' کے جملے بھی تراشے گئے ۔صدر اور وزیر اعظم کے پیغامات بھی ملالہ ڈے کی مناسبت سے قوم کے گوش گزار کئے گئے ، سیاسی ولسانی تنظیموں نے بھی ملالہ ڈے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مختلف سرکاری ونجی اسکولوں میں ملالہ ڈے کے حوالے سے تقاریب میں ملالہ کو خراجِ تحسین بھی پیش کیا گیا۔

لیکن مدرسہ احسن العلوم کے چھ معصوم و بے گناہ طلبہ کو دن دھاڑے، یک بارگی کے ساتھ شہید کر کے ان کے پاک خون سے اس زمین کو رنگین کیا گیا۔ کیا وہ شہید طلبہ حصولِ علم کی خاطر دیارِ غیر میں نہیں آئے تھے؟ کیا وہ کراچی کے مہمان طلبہ علم کی روشنی کے طلبگار نہیں تھے؟ لاقانونیت کی آماجگاہ اور جنگل کا سا منظر پیش کرنے والے اس شہر بے اماں میں ان کا حصولِ علم کی خاطر آنا بہادری کا نشان نہیں تھا؟ علوم نبوت کے حصول کی خاطر سرخ لہو سے جن اجساد کو غسل دیا گیا، ان کے لئے شہادت ڈے منایا گیا؟ گرما گرم تبصرے اور ٹاک شوز چلوائے گئے؟ ان معصوم شہیدوں کے سرخ لہو پر بھی کوئی مصرعے تراشے گئے؟ صدا اور وزیر اعظم کے پیغامات شہادت ڈے کے حوالے سے قوم کو سنوائے گئے؟ شہید طلبہ کے لئے دیئے روشن کئے گئے؟؟؟ نہیں! نہیں! اور ہرگز نہیں!۔

میرا سوال قانون نافذ کرنے والے اداروں اور چیف جسٹس صاحب سے ہے کہ!

☆ جن عناصر نے خطرناک دہشت گردوں کی موجودگی کی اطلاع دی' آیا اُنہیں ملک کی عظیم دینی درسگاہ ''دارالعلوم کراچی'' کی عزت کی دھجیاں بکھیرنے پر عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا؟۔

☆ ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ جامعہ پر اس قدر بدنُما داغ لگانے والے چہروں کو بے نقاب کیا گیا؟۔

☆ مجرم اور جرم ثابت نہ ہونے کے باوجود قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے بے داغ ماضی رکھنے والی جامعہ کو داغ دار کرنے پر کوئی معذرتی بیان یا جامعہ کے نام کوئی معذرتی لیٹر جاری کیا گیا؟۔

جب کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے ملک کی ایک دوسری بڑی دینی درسگاہ ''اشرف المدارس'' پر بھی گزشتہ رات دھاوا بول دینے کے ساتھ ساتھ مسجد و مدرسہ کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے شدید فائرنگ بھی کی جس کی زَد میں آکر تین افراد شہید اور متعدد زخمی ہوئے ، جبکہ جامعہ کے سکیورٹی اہلکاروں کے کمرے کو بھی نذرِ آتش کیا گیا۔

اور آخر میں میڈیا سے بھی یہ شکوہ ہے کہ:

اگر اس طرح بے جا چھاپہ کسی سینما گھر پر بھی مارا جاتا جس میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کی فائرنگ سے چند افراد مارے جاتے اور متعدد زخمی ہوتے تو ...... ! میڈیا آسمان سر پر اُٹھالیتا، ٹاک شوز کا بازار گرم ہوتا، میڈیا چینلز کی گاڑیاں چھتریاں کھولے متأثرہ سینما گھر کے گرد حصار بنائے نظر آتیں، مختلف تجزیہ کاروں کی رائے معلوم کی جاتی اور ہائی کورٹ کے وکیلوں سے قانونی باریکیاں تک بھی معلوم کی جاتیں۔لیکن کب؟ جب یہ دھاوا کسی سینما گھر پر بولا جاتا! ہمارے ٹی وی چینلوں اور ان کے اینکر پرسنوں کے ہاں مسجد و مدرسہ کے تقدس کو پامال کرنا، ان مقدس مقامات پرخونریزی کرنا کسی سینما گھر کی سی اہمیت بھی نہیں رکھتا!۔

تعصب کی عینک اُتار کر، میڈیا کے یکطرفہ ڈھنڈوروں کو پس پشت ڈال کر، شدت پسند اور تخریب کاری کے لیبلوں کو ایک کونے میں رکھ کر، ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اعتدال کی آنکھ سے دیکھئے اور منصفانہ دل و دماغ کے ساتھ سوچئے! کب تک دشمن کی چال میڈیا وار کی صورت میں ہم پر کارگر ثابت ہوتی رہے گی؟ آخر کب تک شیر کا دل گردہ رکھنے والی مائیں اپنے جواں سال بیٹوں کو کھونے کا غم سہتی رہیں گی؟ آخر کب تک پاکستانی بچے یتیم ہوتے رہیں گے؟ کب تک انتظامیہ کا تکیۂ کلام ''نامعلوم'' چلتا رہے گا اور دہشت گردی کا یہ سلسلہ پھلتا پھولتا رہے گا؟ یہ ظلم کی داستان کب تک رقم ہوتی رہے گی؟ ان کے صبر کو کس حد تک آزمایا جاتا رہے گا؟ آخر ایک دن تو اُن سے صبر کا دامن چھوٹے گا، ایک وقت تو ضبط کا بندھن ٹوٹے گا، ایک موقع پر تو تحمل کے آنسو چھلکیں گے اور برداشت کا پیمانہ لبریز ہوگا، پھر انتقام کی آگ بھڑکے گی اور صبر کا لاوا ابل کر بے قابو ہوگا، نفرت کے طوفان اُٹھیں گے اور پھر بے قصور بھی قصورواروں کی بھڑکائی ہوئی آگ میں جلیں گے۔''

....

حضرت مولانا محمد اسماعیلؒ کی شہادت

۱۸رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ بمطابق ۳ر دسمبر ۲۰۱۲ء بروز پیر مدینہ یونیورسٹی کے فاضل، جامعہ احسن العلوم گلشن اقبال کے مفتی و استاذ حدیث، سینکڑوں طلبہ کے دلوں کی دھڑکن' حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل کو سچل تھانے کی حدود میں ابوالحسن اصفہانی روڈ پر اپنے گھر کے قریب واقع چیپل گارڈن میں اندھا دُھند فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا۔ **إنا للّٰه وإنا إليه راجعون، إن للّٰه ماأخذ وله ماأعطىٰ، وكل شيء عندهٗ بأجل مسمىٰ۔**

حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیلؒ نے حضرت مولانا عبدالغنی صاحبؒ کے ہاں صوبہ بلوچستان کے شہر پشین میں ۴۲ سال پہلے آنکھ کھولی۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں پائی اور دینی تعلیم کے حصول کے لئے

ان کی نظرِ انتخاب شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان زیدمجدہم کے ادارہ جامعہ احسن العلوم پر پڑی۔ مولانا اسماعیل شہیدؒ نے درجہ اول سے دورہ حدیث تک مکمل تعلیم اسی جامعہ سے حاصل کی۔ درسِ نظامی سے فراغت کے بعد اپنی جامعہ میں تخصص فی الفقہ کیا۔ اس کے بعد تین سال تک مدینہ یونیورسٹی میں پڑھتے رہے، وہاں سے سندفراغ حاصل کرنے کے بعد اپنی مادرِعلمی میں تدریس کی ابتداء کی۔ اپنی خداداد صلاحیت، محنت اور جدوجہد سے بہت جلد ہی جامعہ کے ممتاز اساتذہ میں ان کا شمار ہونے لگا۔ آپ نے اپنی پندرہ سالہ تدریسی زندگی میں ابتدائی کتب سے دورہ حدیث تک تمام درجات میں اسباق پڑھائے۔

مولانا شہیدؒ نے پسماندگان میں ایک بیوہ، پانچ لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اعلیٰ درجات سے نوازے۔ مولانا کے بچوں اور گھر والوں کی کفایت فرمائے اور آپ کے لواحقین، اعزہ، اقرباء اور شاگردوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ بینات جامعہ کے رئیس شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد زرولی خان دامت برکاتہم اور مولانا کے اعزہ واقرباء سے دلی تعزیت کرتا ہے اور اُن کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

ادارہ قارئین بینات سے حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل شہیدؒ اور دوسرے اہل علم شہداء کے لئے ایصالِ ثواب کی درخواست کرتا ہے۔

ایصالِ ثواب کی درخواست

راقم الحروف کے والدمحترم الحاج منشی غلام مصطفیٰ صاحب زندگی کی ۸۷ بہاریں گزار کر ۲۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۴ ردسمبر ۲۰۱۲ء جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب تقریباً ایک بجے اپنے آبائی وطن لودھراں شہر میں انتقال فرما گئے۔ **إنّا للّٰه وإنّا إليه راجعون، إن للّٰه ماأخذ وله ماأعطیٰ وکل شيء عنده بأجل مسمیٰ۔**

حضرت والد صاحب مرحوم کچھ عرصہ بیمار رہے، علاج معالجہ جاری تھا کہ وقت موعود آپہنچا۔ تفصیلی مضمون ان شاء اللہ بعد میں لکھا جائے گا۔

قارئین بینات سے درخواست ہے کہ میرے والدمحترم کے لئے ایصالِ ثواب سے دریغ نہ فرمائیں اور ان کے رفع درجات کے لئے دعائیں فرماتے رہیں۔ **وأجرکم علی اللّٰه۔**

وصلی اللّٰه تعالیٰ خیر خلقهٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلهٖ وأصحابهٖ أجمعین.

قرآن مجید کیا ہے؟

(۱)

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

کیا قرآن مجید اللہ جل وعلیٰ کا ازلی وابدی کلام ہے اور آسمانی کتاب جو جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ پر اتاری گئی ہے؟

یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقی، روحانی اور مذہبی تجربات ہیں اور ایک آواز ہے جو زندگی کی حقیقی گہرائیوں سے بلند ہوتی اور رسول اللہ ﷺ کے قلب سے پوری شدت کے ساتھ ٹکراتی اور شعور کی سطح پر نمودار ہوتی ہے؟

نیز قرآن اور وحی الٰہی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے خارج، ماوراء اور جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ پر معروض ہے؟

یا آپ کی اعلیٰ وارفع ذات کا داخلی، روحانی ارتقاء ہے، نہ کسی بھی خارجی ہستی (جبرئیل علیہ السلام) کا اس میں مطلق دخل ہے، نہ ہی جبرئیل علیہ السلام کوئی خارجی ہستی ہے؟

یا قرآن مجید پورا کلام اللہ بھی ہے، اسی طرح پورے کا پورا محمد ﷺ کا کلام بھی ہے؟

قرآن مجید، وحی الٰہی، جبرئیل امین علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدس سے متعلق یہ چند اہم اور بنیادی سوالات ہیں جن کے جوابات کے لئے ہم اول خود قرآن مجید کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں، اس لئے کہ کسی کے متعلق سوال کا جواب وہی معتبر مانا جاتا ہے جو وہ خود بتادے:

آفتاب آمد دلیل آفتاب

علاوہ ازیں ایک خدا پرست مومن مسلمان کے لئے تو ''مَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلاً'' (اللہ سے بڑھ کر اور کس کا قول (بیان) زیادہ سچا ہے؟) کے تحت اللہ جل وعلیٰ کے بیان کے سامنے اور کسی بھی ہستی کا تحقیقی بیان (چاہے وہ افلاطونِ وقت ہی کیوں نہ ہو) لائق اعتناء والتفات ہو ہی نہیں سکتا۔

قرآن اللہ جل وعلیٰ کا کلام ہے

ہٹ دھرم مشرکین وکفارِ مکہ رسول اللہ ﷺ کو ''لاجواب'' کرنے کی نیت سے کہا کرتے تھے: ''لو لا یکلمنا اللہ؟'' یعنی اللہ تم ہی سے بات کرتا ہے، ہم سے بات کیوں نہیں کرتا؟

اللہ جل وعلیٰ نے آیت کریمہ میں اس کا جواب دیا ہے:

''وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْياً أَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلاً فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ إِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ''. (الشوریٰ:۵۱)

ترجمہ:...... ''کسی بھی بشر کی یہ مجال نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے بجز اس کے کہ وحی کے طور پر (بات کرے) یا (مانع رؤیت نوری) پردے کے پیچھے سے (بات کرے) یا کسی قاصد (ایلچی) کو بھیجے، پس وہ (قاصد) جو بات اللہ چاہے (اس بشر کے پاس) پہنچادے، بیشک وہ اللہ بہت ہی بلند (کائنات سے ماوراء) بڑی ہی حکمتوں والا ہے''۔

یعنی نہ اللہ جل جلالہ کی عظمت وجلال کے ہی شایانِ شان ہے کہ وہ اپنی ایک ''ماء مھین'' (حقیر پانی) سے پیدا شدہ مخلوقِ ضعیف، بشر سے رُودررُو بات کرے اور نہ ہی اللہ کے کلام کے ''ملکوتی ولاہوتی ثقل'' اور گرانی کی کوئی قوی سے قوی مادّی مخلوق، حتیٰ کہ پہاڑ بھی-متحمل ہوسکتی ہے۔ ہاں! اس علیم وحکیم خالقِ کائنات نے اپنے لامحدود علم وحکمت کے تحت انسانوں تک (کہ وہی اس کلام کے مخاطب ومکلّف ہیں) اپنا کلام (قرآن) پہنچانے کی مذکورہ ذیل تین صورتیں نکال دی ہیں۔

اللہ جل وعلیٰ کے کلام کی تین صورتیں

چنانچہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اولاً منکرین کا جواب دینے کے علاوہ ایک عام اصول اور سنت اللہ کے طور پر اللہ جل وعلیٰ سے شفاہاً (آمنے سامنے) کلام کرنے کے، بشری قدرت واستطاعت سے خارج ہونے کی بناء پر نفی فرمائی ہے، اس کے بعد بطور استثناء تین طریق پر اللہ جل وعلیٰ کے کسی بشر سے کلام فرمانے کا اثبات فرمایا ہے۔

۱......ایک بطور وحی بات کرنا یعنی دل میں بات ڈال دینا۔

۲......دوسرے پردے (رؤیت سے مانع نور) کے پیچھے سے بات کرنا۔

۳......تیسرے کسی رسول (قاصد) کے ذریعہ اپنی بات پہنچا دینا اور اس نفی اور اثبات کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ اللہ جل وعلیٰ کی ذات اقدس تمام کائنات سے اعلیٰ وارفع اور وراء الوراء ہے، کسی کی رسائی اس تک ممکن نہیں کہ اس سے بات کرے ''إِنَّهٗ عَلِيٌّ'' ساتھ ہی وہ بڑی حکمتوں والا

ہے، اس لئے اس نے مذکورہ بالا تین طریق پر کلام کرنے کی راہ نکال دی''إِنَّهٗ حَكِيْمٌ '' بالفاظِ دیگر ''عَلِيٌّ'' نفی کی دلیل ہے، ''حَكِيْمٌ'' اثبات کی دلیل ہے۔

قرآن (اللہ کا کلام) تیسری صورت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہے۔

اس آیت کریمہ کے فوراً بعد دوسری آیت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرکے آگاہ فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہارے پاس اپنا کلام (قرآن) مذکورہ بالا تین طریقوں میں سے تیسرے طریق پر یعنی بذریعہ رسول (قاصد) بھیجا ہے اور یہ کہ یہ ہمارا کلام جو ہم نے بھیجا ہے یہ کائنات کی ظلمتوں کو دور کرنے والا ایک نور ہے۔

جبرئیل کون ہیں؟

اسی کے ساتھ ساتھ اول اس رسول کے ملکی اوصاف بیان فرماتے ہیں اور پھر ان کا نام بھی بتلا دیتے ہیں، ارشاد ہے:

''وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوْحاً مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْراً نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ''۔ (الشوریٰ:۵۲)

ترجمہ:......''اسی طرح ہم نے (اے نبی!) تمہارے پاس اپنے امر (حکم) سے، ایک روح (جبرئیل) کے ذریعہ وحی بھیجی ہے (اس سے پہلے، تم نہیں جانتے تھے کہ (آسمانی) کتاب کیا (ہوتی) ہے اور کیا ہے (اس پر) ایمان (لانا) لیکن ہم نے اس (قرآن) کو نور بنایا ہے جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت فرما دیتے ہیں''۔

اس آیت کریمہ میں اس (ملکی) رسول (قاصد) کو جس کے ذریعہ اللہ جل وعلیٰ نے نور یعنی قرآن کو بھیجا ہے''أَوْحَيْنَا'' کی مناسبت سے روح سے تعبیر فرمایا ہے، جیسے ''یرسل'' کی مناسبت سے پہلی آیت میں رسول سے تعبیر فرمایا تھا، لیکن سورۃ النحل میں اس رسول کو روح القدس کے لفظ سے تعبیر فرما کر اس ملکی رسول کے ''ملکوتی تقدس'' سے آگاہ فرمایا ہے، ارشاد ہے:

''قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ''. (النحل:۱۰۲)

ترجمہ:......''(اے نبی!) تم کہہ دو اس (قرآن) کو تمہارے رب کی جانب سے روح القدس نے حق کے ساتھ اتارا ہے''۔

اور سورۃ الشعراء میں ''الروح الامین'' کے لفظ سے تعبیر فرما کر اس رسول کی ''امانت'' (یعنی

بغیر کسی ادنیٰ تصرف کے اللہ کا کلام پہنچا دینے) کے متعلق اطمینان دلایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی ہے، ارشاد ہے:

”وَإِنَّـهُ لَتَـنْزِيْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِکَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ“. (الشعراء:۱۹۲،۱۹۳،۱۹۴،۱۹۵)

ترجمہ:......”اور بیشک وہ (قرآن) اتارا ہوا ہے پروردگار عالم کا، اس کو اتارا ہے امانت دار (فرشتہ) نے تمہارے دل پر، تاکہ تم بھی خبردار کرنے والوں (انبیاء ورسل) میں شامل ہو جاؤ خالص عربی زبان میں“۔

اور سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ ذیل میں اس رسول، روح، روح القدس، الروح الامین کا نام بھی بتلا دیا، ارشاد ہے:

”قُلْ مَنْ كَانَ عَـدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِکَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ“. (البقرة:۹۷)

ترجمہ:......”(اے نبی!) تم کہہ دو: (جو جبرئیل کا دشمن ہو (ہوا کرے) پس بیشک اس نے تو اس (قرآن) کو اللہ کے حکم سے تمہارے دل پر اتارا ہے جو سچ بتانے والا ہے اس (کتاب آسمانی) کو جو اس سے پہلے ہے اور رہنمائی وخوشخبری ہے ایمان والوں کے لئے“۔

اور سورۂ تکویر میں اس ملکی رسول کی عالم ملکوت میں عزت، عظمت، منزلت اور تمام فرشتوں پر سیادت یعنی اقتدارِ اعلیٰ سے آگاہ فرما کر یقین دلایا ہے کہ یہ کوئی معمولی درجہ کا فرشتہ نہیں ہے، بلکہ تمام عالم ملکوت میں سردار اور رب العرش العظیم کا سب سے مقرب فرشتہ ہے، اس لئے کہ جتنی عظیم ہستی کو قاصد بنا کر بھیجا جاتا ہے اتنی ہی ایک طرف اس کلام کی صداقت وواقعیت کی ضمانت ہوتی ہے، دوسری طرف مرسل الیہ (جس کے پاس بھیجا جاتا ہے) کی عزت افزائی اور پیغام بھیجنے والے (مرسِل) کے نزدیک اس کی قدر ومنزلت کا اظہار ہوتا ہے، ارشاد ہے:

”إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْنٍ“. (التکویر:۱۹،۲۰،۲۱)

ترجمہ:......”بیشک وہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول (کلام) ہے جو بڑی (روحانی) قوت والا ہے، عرش والے (مالک الملک) کے ہاں بڑے مرتبہ والا ہے، وہاں (سب کا) سردار ہے امانت دار (ثقہ اور معتمد) ہے“۔

(جاری ہے)

www.banuri.edu.pk

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

حضرت مولانا تاج محمودؒ
رہنما مجلس تحفظ ختم نبوت وسابق مدیر ہفت روزہ لولاک، فیصل آباد

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ امیر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان رحمۃ اللہ علیہ جامع صفات شخصیت کے مالک تھے ۔ خیر القرون کو چھوڑ کر سرورِ کائنات ﷺ فداہ ابی وامی کی امت کے منتخب اور نابغہ روزگار لوگوں کی جو فہرست بن سکتی ہے، وہ اس میں شامل تھے ۔ وہ علم کا خزانہ، عرفان کا دریا اور استقامت کا پہاڑ تھے ۔ انہوں نے پوری زندگی علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس اور تبلیغ میں گزار دی ۔ حق تعالیٰ نے ان سے حفاظت اور اشاعت اسلام کا عظیم کام لیا۔ ان کی دینی اور ملی خدمات کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے ۔ یہ مختصر فرصت اُن کا مقام ومرتبہ اور ان کی علمی اور عملی خدمات کی تفصیلات کے تذکرے کی متحمل نہیں ہے ۔

حضرت مولانا بنوریؒ کے علمی مقام ومنزلت کے سلسلہ میں اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ محدثِ جلیل علامۂ دوراں سید انور شاہ کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۔ علامہ کشمیریؒ کے جتنے شاگرد آج دنیا میں موجود ہیں ان سب کو اس بات سے اتفاق ہے کہ مولانا بنوریؒ، سید انور شاہ کشمیریؒ کا صحیح عکس اور ان کی پوری تصویر تھے ۔

حضرت مولانا بنوریؒ کی متعدد علمی تصانیف ہیں، لیکن ان میں سرفہرست جس تصنیف کا عرب اور عجم ہر جگہ غلغلہ بلند ہو رہا ہے، وہ حدیث کی کتاب ترمذی شریف کی شرح ''معارف السنن'' ہے، جسے مولانا بنوریؒ نے اپنے استاذ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے مقدس اور معطر انفاس قرار دیا ہے ۔ ان چھ جلدوں میں لکھے ہوئے نادرۂ روزگار بلند پایہ علمی اور دینی سرمایہ سے آج جامعہ ازہر اور دنیا کی دوسری بڑی بڑی علمی درسگاہوں میں پڑھنے والے فیض یاب ہو رہے ہیں ۔ ان کا قائم کردہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن (حالیہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن) جسے دیکھ کر لندن، واشنگٹن یا ماسکو کی کسی یونیورسٹی کا گمان ہوتا ہے، ہمارے تمام دینی مدارس میں قابل فخر طور پر خدمات سرانجام

دے رہا ہے۔ یہ ادارہ مولانا بنوریؒ نے صدقۂ جاریہ چھوڑا ہے، جو ان شاء اللہ! رہتی دنیا تک ان کے لئے بلند درجات کا ذریعہ بنا رہے گا۔ ملک کے بے شمار دینی ادارے جو حضرت بنوریؒ کے تعاون اور ان کی سرپرستی میں قال اللہ اور قال الرسول کے امین تھے، وہ سب حضرت مولانا بنوریؒ کی یاد کے انمٹ نقوش ہیں۔ حضرت مولانا بنوریؒ کے ہزاروں نہیں، لاکھوں شاگرد جو نہ صرف برصغیر میں، بلکہ پوری دنیائے اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں اور دین مصطفیٰ کی حفاظت اور اس کی اشاعت میں مصروف ہیں، سب توشۂ آخرت ہیں۔ حضرت مولانا بنوریؒ نے اپنی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ تعلیمی، تدریسی اور تصنیفی مصروفیات میں گزارا۔ ہم لوگ جو خارزارِ سیاست کے مسافر تھے، ہمارا ان سے کوئی زیادہ واسطہ نہیں رہا تھا، لیکن حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ دو وجہ سے ایک غائبانہ تعلق موجود تھا۔

ا......ہم لوگ بلبلِ ریاض امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے دیوانوں اور پروانوں کی جماعت تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ ان کا مضبوط جسم، قابل رشک صحت، پیغمبرانہ وجاہت، ساحرانہ آواز، مجاہدانہ عادات اور بے مثال حافظہ اور غالبًا یہ تمام اوصاف اُنہیں خطابت کے لئے ودیعت کئے گئے تھے۔ گزشتہ پورے دوسو سال میں ان جیسا خطیب پورے ایشیاء میں پیدا نہیں ہوا۔ اور ان کی یہ مایۂ ناز خوبی یعنی خطابت درحقیقت اُنہیں عشق رسول ﷺ کے لئے عطاء ہوئی تھی۔ وہ علامہ اقبالؒ کے بقول ''دردلِ مسلم مقام مصطفیٰ'' کی سچی تصویر بن گئے تھے۔

لاہور کے ایک بہت بڑے جلسے جس میں برصغیر کے تمام بڑے بڑے علمائے کرام شریک تھے، یہ مداحِ رسول ﷺ اور بلبلِ بستانِ رسول ﷺ تقریر کررہے تھے، صدارت کی کرسی پر علامۂ عصر محدثِ جلیل حضرت استاذ العلماء حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ تشریف فرما تھے، حضرت شاہ جیؒ نے تقریر کرتے ہوئے فرنگی کی اسلام دشمنی بیان کی، اسلام کے خلاف اس کی سازشوں کو بے نقاب کیا، مرزائیت کے فتنۂ عمیاء کا پردہ چاک کیا، اپنے آقا و مولا شہنشاہِ لولاک کی شان رسالت بیان کی۔ رات کا وقت، مدحِ رسول کا تذکرہ اور بلبلِ ریاضِ رسول کی سوز و ترنم سے منور آواز، علامہ انور شاہؒ اُٹھے اور شاہ جیؒ کو امیر شریعت کا خطاب دیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اس پر بیعت کر لی اور اپنے آپ کو حفاظت واشاعت اسلام، ردِّ مرزائیت اور تحفظِ ختم نبوت کے سلسلہ میں شاہ جیؒ کا سپاہی قرار دیا۔

شاہ جیؒ حضرت علامہؒ کے مقام و مرتبت سے آگاہ تھے، فوراً فرمایا: حضرت! میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میں نے آپ کے ہاتھ پر یہ عہد کیا ہے کہ پوری زندگی رسول اللہ ﷺ کے منصبِ ختمِ نبوت کی حفاظت کرتا رہوں گا اور نبی کریم ﷺ کے دشمنوں کے خلاف سپر ہو کر لڑتا رہوں گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ بھی شاہ

جیؒ کے توسط سے علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کو اپنا استاذ، مرشد، رہنما اور سرپرست سمجھتے آئے ہیں۔ پھر علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ نے ختم نبوت پر مدلل ترین کتابیں لکھیں اور رسول اللہ ﷺ کے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت امت کو بتائی اور آج ہر عالمِ دین کے لئے ختم نبوت کے سلسلہ میں علمی اور تبلیغی کام کرنے کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کا وہ علمی خزانہ مشعل راہ کا کام دے رہا ہے۔

۲......علامہ اقبالؒ کو ان کی اسلام اور عشق رسول ﷺ سے منور شاعری کی وجہ سے جو قبولیت نصیب ہوئی وہ آج دنیا کے سامنے ہے۔ علامہ اقبالؒ کے خاندان کے کچھ لوگ قادیانی ہو گئے تھے۔ خود علامہ اقبالؒ نے بھی مرزا غلام احمد قادیانی کے اس ہنگامے کی تحقیق کی تھی، جو انہوں نے عیسائیوں کے خلاف مناظروں وغیرہ کا ڈھونگ رچا کر بپا کیا ہوا تھا، لیکن وہ تو مرزا صاحب کا دام ہمرنگ زمین تھا جسے علامہ اقبالؒ بہت جلد سمجھ گئے، تاہم وہ علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ سے ملے اور ان سے ختم نبوت کے عقیدے کے متعلق سوالات دریافت کئے، یہ پہلی مجلس لاہور میں ہوئی تھی، اس میں شریک ایک چشم دید گواہ لاہور کے مشہور بزرگ رہنما میاں امیر الدین اب بھی بقید حیات موجود ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے علامہ اقبالؒ کے سوالات کے جواب میں ایک مفصل تقریر کی تھی۔ علامہ اقبالؒ تقریر کے دوران شاہ صاحبؒ کے سامنے دو زانو ہوگئے اور ادب سے ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے تھے۔ جس طرح مولوی رومیؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ:

مولوی ہرگز نہ شدہ مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزے نہ شد

اسی طرح علامہ اقبالؒ میں عشق رسول ﷺ کی چنگاری اور اسلام کی وہ لگن جس نے علامہ مرحوم کو مفکر اسلام اور حکیم الامت کا منصب عطا فرمایا، علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی صحبت سے پیدا ہوئی تھی۔ پھر علامہ مرحوم شاہ صاحبؒ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ بات طویل ہوجائے گی۔ علامہ اقبال مرحوم کی کوششوں سے آخر یہ فیصلہ بھی ہوگیا تھا کہ شاہ صاحبؒ کو بادشاہی مسجد کے خطیب کے طور پر لاہور لایا جائے۔ پہلے شاہ صاحبؒ نہیں مانتے تھے اور برصغیر کی ان عظیم درس گاہوں کا تعلق چھوڑنا نہیں مان رہے تھے، بعد میں علامہ اقبالؒ کے اصرار پر لاہور آنے کا فیصلہ فرمالیا تھا، لیکن عمر نے وفا نہ کی اور ان کا وصال ہوگیا اور اس طرح علامہ اقبالؒ کی شاہ صاحبؒ کے متعلق یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ حضرت امیر شریعتؒ اور علامہ اقبالؒ کے تعلق، محبت اور نسبت سے ہمیں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے انس ہی نہیں عشق ہے اور حضرت بنوریؒ حضرت سید انور شاہ کشمیریؒ کے محبوب شاگرد تھے۔ جن دنوں ملتان میں وفاق

المدارس کی میٹنگ تھی، تمام علمائے کرام کا اجتماع تھا، اس اجتماع میں حضرت بنوریؒ بھی شریک تھے، جلسے سے فارغ ہوکر حضرت بنوریؒ، امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے ملاقات کے لئے ان کے گھر پر آئے، جو ان دنوں بیمار اور صاحب فراش تھے۔ حضرت شاہ جیؒ کو حضرت بنوریؒ کی آمد کا علم ہوا تو چارپائی سے اُٹھ کھڑے ہوئے، ملاقات ہوئی اور اس کے بعد حضرت شاہ جیؒ نے حضرت بنوریؒ کے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے درمیان لے کر آپ کے چہرے کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ حضرت مولانا بنوریؒ سمجھے کہ حضرت شاہ جیؒ بیمار ہیں، بصارت کمزور ہوگئی، مجھے پہچان نہیں سکے، اس لئے اس طرح مجھے پہچاننے کی کوشش کررہے ہیں، فرمایا: بنوری ہوں۔ حضرت شاہ جیؒ نے زور سے کہا: نہیں، حضرت بنوریؒ نے سمجھا شاہ جیؒ کی سماعت بھی کمزور ہے، شاید میرا نام سن نہیں سکے تو زور سے فرمایا: یوسف بنوری ہوں۔ حضرت شاہ جیؒ نے اس سے بھی بلند آواز سے فرمایا: نہیں، نہیں، سید انور شاہ کشمیری ہو اور یہ فرماکر پھر آپ کو گلے لگالیا، آپ سے بے پناہ محبت اور عقیدت کا اظہار فرمایا۔

یہی وجہ تھی کہ جب مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے صف اول کے رہنما حضرت شاہ جیؒ، قاضی احسان صاحبؒ، مولانا محمد علیؒ، مولانا لال حسین اخترؒ دنیا سے رخصت ہوگئے تو حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کی جماعت ان کے جانشین حضرت بنوریؒ کے سپرد کردی گئی اور حضرت بنوریؒ نے اپنے استاذ کے ورثہ کو سنبھال لیا اور اس امانت کے امین رہے اور جو تحریک حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے شروع کی تھی اسے اپنی قیادت میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت مولانا بنوریؒ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء سے کچھ عرصہ پہلے ہی ہماری جماعت کے امیر منتخب کئے گئے تھے۔ اس وقت ہمیں ہرگز معلوم نہ تھا کہ چند دنوں کے بعد مرزائیت کے خلاف تحریک اُٹھ کھڑی ہوگی اور حضرت مولانا بنوریؒ کو اس کی قیادت کے لئے تکوینی طور پر کوئی ڈیوٹی سپرد کی گئی ہے۔ بعد کے حالات نے ثابت کردیا کہ خدائی نظام کے تحت ''مددے از غیب آید کارے کند'' مولانا بنوریؒ آئے نہیں بھیجے گئے تھے اور انہوں نے تحریک کے آغاز ہی میں ہمیں یہ فرمادیا تھا کہ اخلاص سے کام کرتے جاؤ، ان شاء اللہ! مرزائیت اپنے انجام کو پہنچنے والی ہے۔ جس طرح حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحابہؓ کے قافلے کا بچھڑا ہوا ایک انسان ہے، مولانا بنوریؒ کے علم و فضل کے متعلق صاحب علم لوگوں کا خیال ہے کہ وہ رازیؒ اور غزالیؒ کے قافلے کا بچھڑا ہوا مسافر تھا۔

دیانت، اخلاص، روحانیت، عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ کے اعتبار سے وہ بہت بلند پایہ عارف باللہ تھے، اتباعِ رسول کا حد درجہ خیال رکھتے۔ جماعت کا امیر منتخب ہونے کے بعد وہ پہلی دفعہ جب ہمارے مرکزی دفتر ملتان میں تشریف لائے تو آتے ہی ہمارے مرکزی رہنما مولانا محمد شریف جالندھریؒ

سے فرمایا کہ آپ نے کام سنت نبوی ﷺ سے ہٹ کر کیا ہوا ہے۔ سردار امیر عالم خان لغاری، مولانا عبد الرحیم اشعر، مولانا غلام محمد بہاولپوری، مولانا محمد حیات فاتح قادیان، مولانا منظور احمد شاہ صاحب اور دفتر کے تمام خدام نے حیرت سے دریافت کیا: حضرت کیسے؟ فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے جب اسلام کے لئے کام کرنا شروع کیا تھا تو سب سے پہلے مسجد بنائی تھی اور اسی مسجد کو بنیاد بنا کر کام شروع فرمایا تھا، آپ لوگوں نے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے دفتر تو بنالیا اس میں اتنا بڑا کتاب خانہ بھی جمع کرلیا، مبلغین کے آرام کرنے، مطالعہ کرنے کے کمرے بھی بنائے اور دوسری منزل میں مطبخ بھی بنایا، لیکن آپ کے ہاں مسجد نہیں ہے، ایک ایسا دفتر بنائیں جس کے ساتھ ایک عظیم الشان مسجد بھی ہو۔

کچھ دنوں بعد جب تحریک ختم نبوت شروع ہوگئی تو اسلام آباد کی ایک میٹنگ میں سوال پیدا ہوا کہ مجلس عمل کے لئے فنڈز کا انتظام کس طرح کیا جائے؟ کسی نے کہا کہ رسید بکس چھاپی جائیں اور ملک سے مرکزی مجلس عمل کے لئے الگ چندہ جمع کیا جائے۔ ایک تجویز یہ آئی کہ پانچ پانچ ہزار روپیہ ہر شریک جماعت ابتدائی طور پر دے، پھر اگر مزید ضرورت ہوئی تو جماعتوں سے درخواست کی جائے گی۔ حضرت مولانا بنوریؒ نے ہم سے مشورہ کیا۔ سردار امیر عالم خان لغاری، مولانا محمد شریف جالندھری اور راقم الحروف تاج محمود اس اجلاس میں حضرتؒ کے ساتھ تھے۔ آپؒ نے فرمایا کہ میری رائے ہے کہ تحریک کے لئے کوئی چندہ نہ کیا جائے، مقامی مجالس اپنے اپنے مقامی اخراجات کے لئے ذمہ دار قرار دے دی جائیں اور مرکزی مجلس عمل اور مرکزی تحریک کے تمام اخراجات ہم اپنے ذمہ لے لیں، میں نے اس کی مخالفت کی، اور تحریک کے دوران تحریک کے چندہ کے سلسلہ میں لاہور میں جو کچھ ہوا اور دوسرے شہروں میں جو بھی گل کھلائے گئے تھے وہ ہمارے سامنے ہیں۔ تحریکوں میں ایسے لوگ بھی آجاتے ہیں جو آپ کو کپڑوں سمیت نگل جائیں گے۔ پھر مجلس عمل میں شریک جماعتیں' جماعت اسلامی، جمعیت اہل حدیث، مسلم لیگ تینوں پیسوں والی جماعتیں ہیں۔ مجلس تحفظ ختم نبوت بھی حصہ ڈال دیتی ہے، گزارہ ہوجائے گا۔ خدا کے لئے سارے اخراجات کی ذمہ داری اپنے سر نہ لیں۔ پھر میں نے یہ عرض کیا کہ اس وقت اگر مجلس کے پاس کچھ پیسے جمع ہیں تو یہ وہ پیسے ہیں جو حضرت مولانا محمد علیؒ نے در بدر پھر کر بڑی محنت سے جماعت کا سرمایہ اور اس کی بنیاد بنائی تھی۔ مرحوم کا خیال تھا کہ مرزائیت کا مقابلہ مضبوط فنڈ کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ فنڈ اگر تحریک میں صرف ہوگیا، مرکزی اور ضلعی نظامِ تبلیغ کے سالانہ اخراجات کا کیا ہوگا؟ ملک بھر کے دفاتر اور ان کا انتظام درہم برہم ہوجائے گا۔ مولانا نے میری گزارشات اور دلائل غور سے سنے اور جواباً فرمایا کہ ''سیاسی اور دینی جماعتیں جو یہاں جمع ہوئی ہیں ان کے اپنے اپنے دستور اور منشور ہیں، انہوں نے جو فنڈ جمع کئے ہوئے ہیں وہ ان جماعتوں کے اپنے منشور اور مقاصد کے لئے ہیں، ان کے برعکس

ہماری جماعت کا دستور منشور ہی تحفظِ عقیدۂ ختم نبوت ہے اور یہ تحریک عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے ہے، اب جو روپیہ لوگوں نے ہمیں راہ خدا اسی مقصد کے لئے دیا ہوا ہے، حق یہ ہے کہ اس پیسہ کو اس تحریک پر خرچ ہونا چاہئے، دوسری کسی سیاسی یا مذہبی جماعت نے ختم نبوت کے لئے فنڈ فراہم نہیں کیا ہوا‘‘۔ مولاناؒ کی اس وزنی اور معقول دلیل کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا، میں نے اتنا عرض کیا کہ حضرت! بات آپ نے ٹھیک فرمائی ہے، ایسا ہی کرلیا جائے، جیسا آپ فرماتے ہیں، لیکن مجلس کے نظم ونسق اور ضروری اخراجات کا کیا ہوگا؟ اور ابھی تو آپ مجلس کے لئے عظیم جامع مسجد اور دفتر بنانے کا بھی فرما چکے ہیں کہ وہ بھی نیا تعمیر ہونا چاہئے۔ حضرت مولاناؒ کی آنکھوں میں ایک نورانی چمک پیدا ہوئی، مجھے شفقت سے تھپکی دی اور فرمایا: مولانا! میرا ہاتھ اللہ کے خزانوں میں ہے، آپ اس روپے کو راہِ خدا خرچ کردیں، میرا اللہ مجھے آپ کی دینی ضرورتوں کے لئے پیسے بھیجے گا، آپ ہرگز پریشان نہ ہوں اور کسی قسم کی فکر نہ کریں۔ ہم نے اُٹھ کر مجلس میں اعلان کردیا کہ ملک بھر میں کوئی شخص مرکزی مجلس عمل اور مرکزی تحریک کے لئے چندہ نہیں کرے گا، مرکزی مجلس عمل اور مرکزی تحریک کے تمام اخراجات مجلس تحفظ ختم نبوت ادا کرے گی، البتہ مقامی مجالس اپنی جائز ضرورتوں کے لئے مقامی طور پر ذمہ دار ہوں گی اور وہ اس کے لئے انتظام کرلیں گی۔ مولاناؒ کے حکم کے مطابق مولانا محمد شریف جالندھری اور سردار امیر عالم خان لغاری کے توسط سے جماعت کے بیت المال سے مرکزی تحریک ختم نبوت اور بمعہ ’’ملت اسلامیہ کا موقف‘‘ کی طباعت اور اشاعت پر اسی ہزار روپیہ خرچ ہوا، اس سلسلہ میں مولانا محمد شریف جالندھری کی خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں گی جو دن کو مختلف شہروں میں تنظیمی اجتماعات میں شریک ہوتے اور رات بھر بسوں میں سفر کرکے دوسری جگہ پہنچ جاتے۔

شیعہ رہنما سید مظفر علی شمسی نے مجھے ایک دفعہ بتایا کہ حضرت مولانا بنوریؒ کا مقام تو بہت بلند ہے، مولانا محمد شریف جالندھریؒ بھی قرون اولیٰ کے مسلمان معلوم ہوتے ہیں، اس نے گزشتہ رات ہم سب کے لئے ہوائی جہاز کے سفر کا انتظام کیا، رات ۱۰ بجے مجھے ہمارے پورے قافلے کے لئے ہوائی جہاز کے ٹکٹ دیئے، تاکہ ہم لوگ راولپنڈی میں بلائی گئی ہنگامی میٹنگ میں پہنچ سکیں، لیکن جب ہم صبح راولپنڈی ایئرپورٹ اترے تو مولانا خود ہمیں ایئرپورٹ پر لینے کے لئے بھی آئے ہوئے تھے۔ ہم حیران ہوئے کہ بھائی! درمیان میں کوئی جہاز تو تھا ہی نہیں، آپ کس فلائٹ کے ذریعے آگئے؟ حضرت مولاناؒ نے اپنا گردآلود چہرہ رومال سے صاف کرتے ہوئے فرمایا: میں بس سے ابھی پنڈی پہنچا ہوں اور آپ کو لینے کے لئے حاضر ہوگیا ہوں، تاکہ آپ کو پنڈی اپنی رہائش گاہ تک پہنچنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔

تحریک میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی بخشی۔ مجلس کا بیت المال خالی ہو چکا تھا۔ ہماری میٹنگ ہوئی،

ہم نے مجلس کے لئے فنڈ ختم ہوجانے پر تشویش کا اظہار کیا۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کراچی آیئے۔ مولانا محمد شریف جالندھری کراچی تشریف لے گئے، مولانا مرحوم نے نہ صرف تحریک میں خرچ ہونے والے روپیہ کا انتظام کردیا، بلکہ پچاس ہزار روپیہ مزید بھی عنایت فرمایا۔ سردار امیر عالم خان لغاریؒ اور محمد شریف جالندھریؒ کو تاکید کی کہ یہ روپیہ جماعت کے نظم ونسق اور تبلیغ دین کے کام کو وسیع کرنے کے لئے اخلاص اور محنت سے خرچ کیا جائے۔ کچھ دنوں بعد حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ ملتان میں مرکزی دفتر اور عظیم الشان مسجد کی تعمیر کے لئے اللہ نے ۳۶ لاکھ روپے کا انتظام فرمادیا ہے۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا: یہ عمارت نقشہ کے مطابق کسی نیک اور دیانت دار ٹھیکہ دار سے بنوائی جائے، مولاناؒ کے حکم کی تعمیل ہوئی، اس بلڈنگ کا ٹھیکہ دینے کے لئے اخبارات میں ٹینڈر کال کئے گئے۔ ایک نیک سیرت چیف انجینئر جناب اختر قریشی کے مشوروں کے مطابق اس ساری بلڈنگ کا ٹھیکہ دیا گیا۔ ملتان کی اس عظیم بلڈنگ اور اسی طرح ربوہ کی جامع مسجد ختم نبوت کا نقشہ معہ مکمل تفصیلات کے کراچی کے مشہور اور معروف آرکیٹیکٹ جناب کرنل حسین عامر نے فی سبیل اللہ نیک جذبے، بڑی محنت اور محبت سے تیار کرایا۔

حضرت مولاناؒ نے اپنی حیات ہی میں دفتر مرکزیہ ملتان اور مسجد ختم نبوت کی تعمیر کا کام ایک کمیٹی کے سپرد کردیا تھا، جس میں سردار امیر عالم خان لغاری، مولانا محمد شریف جالندھری اور کرنل حسین عامر شامل تھے۔

اسلام آباد کا دفتر کرایہ کا تھا، اُسے خرید لینے کا حکم دیا، وہ ایک عظیم الشان لائبریری قائم کی جائے اور مسجد کے ساتھ علوم دینیہ کا ایک عظیم الشان دارالعلوم بنایا جائے۔ مسجد، دفتر، لائبریری اور دارالعلوم کو آباد کیا جائے، اس مسجد کا بہت اور خوبصورت مینار ہو، تاکہ وہاں سے گزرنے والے مسلمانوں کو خوشی ہو اور انہیں ختمِ نبوت کے غداروں کی وجہ سے جو صدمہ پہنچا ہوا ہے، اس کی تلافی ہو۔ اس کے علاوہ حضرت مولاناؒ کا ارشاد تھا کہ اس مسجد، لائبریری اور دارالعلوم میں ایسا کام بھی کیا جائے کہ اسلام سے بھٹک کر مرزائیت کی گود میں گئے ہوئے لوگ دوبارہ حضور ﷺ کے دامنِ رحمت میں واپس آسکیں۔

آپؒ کے ارشاد کے مطابق ربوہ اور دریائے چناب کے درمیان بننے والی نئی کالونی میں ہم نے ۹ رکنال رقبہ حاصل کرلیا تھا۔ مسجد کے سنگ بنیاد کے لئے تیاریاں تھیں کہ حضرت مولاناؒ کو اللہ کی طرف سے بلاوا آگیا اور اب یہ ذمہ داری حضرت مولاناؒ کے جانشین حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ اور جماعت کے دوسرے خدام کے کاندھوں پر آگئی ہے۔

ربوہ کی اسکیم کو مکمل کرنے کے بعد حضرت مولاناؒ کا ارادہ تھا کہ اسلام آباد میں ایک وسیع وعریض قطعۂ زمین لیا جائے اور اس پر ملتان کے دفتر اور جامع مسجد سے بھی شاندار عمارت بنائی جائے اور اس دفتر میں گاہے بگاہے اندرون ملک اور بیرونی سفیروں اور نمائندگان کو دعوت دی جایا کرے اور حفاظتِ اسلام اور اشاعتِ اسلام کی تجاویز زیرِغور لاکر انہیں عملی جامہ پہنانے کی فکر جائے، تاکہ یہ ملک

اسلام کا گہوارہ بنے اور یہاں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی بادشاہت قائم ہو اور اس کے لئے ہم لوگ بنیادی باصلاحیت رضا کار اور خادم ثابت ہوں۔انہیں موجودہ حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل میں لے لیا تھا، ان کا نظریاتی کونسل میں آجانا دو باتوں کی دلیل سمجھا گیا۔

۱...... یہ کہ وہ وقت آ گیا ہے کہ اب پاکستان میں اسلام کا عملی نفاذ ہوگا اور اس ملک میں گزشتہ تیس سال سے مرزائیوں، کمیونسٹوں، دہریوں، زانیوں، شرابیوں اور لٹیروں نے جو گندگی پھیلا رکھی تھی، وہ اب ان شاء اللہ! صاف ہو کر رہے گی۔

۲......حضرت مولاناؒ کی موجودگی میں جو اسلامی نظام اور شرعی قوانین مرتب ہوں گے ان کی صحت اور کامیابی ہر قسم کے شک وشبہ سے بلند ہوگی، نظریاتی کونسل کے دوسرے اراکین بھی قابل اعتماد لوگ ہیں، لیکن حضرت مولاناؒ کی ثقاہت اور وسعت نظر کا مقام بہت بلند تھا۔

بہر حال ان کا نظریاتی کونسل میں شامل ہونا اور جو بنیادی نقشہ وہ اس ملک کے نظام کے لئے لے کر گئے ہیں، وہ ایک نیک فال ہے۔جس دل سوزی اور شفقت سے انہوں نے جنرل محمد ضیاء الحقؒ کو نصائح کیں اور اسلام کے نفاذ کی تائید کی یہ انہی کا مقام تھا۔وہ اگرچہ حکم الٰہی کے تابع دنیا سے رخصت ہوگئے اور بنظر ظاہر ہمیں یتیم چھوڑ گئے، لیکن یقین ہے کہ ان کی دعائیں ہمیشہ ہماری رہنمائی اور کامیابی کا باعث ثابت ہوتی رہیں گی۔

الف: ان کے علمی ورثہ کے ہزاروں لوگ امین اور وارث ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت اور تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں، مولانا کا علم ایک چراغ سے دوسرے چراغ کی مثال روشن سے روشن تر ہوتا رہے گا۔

ب: ان کا مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن (حال جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن) ان کے خصوصی معتمد اور جانشین مولانا مفتی احمد الرحمٰن کے سپرد ہوا۔مفتی صاحب کو مولانا کے صاحبزادے مولوی سید محمد بنوری، مولانا کے شاگرد رشید مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحب اور مدرسہ کے تمام مدرسین اور علمائے کرام اور حضرت مولانا بنوریؒ کے دوسرے عزیزوں مولانا محمد حبیب اللہ مختار، مولانا محمد طاسین اور مولانا ایوب جان بنوری کا ہر طرح کا تعاون حاصل رہے گا اور مولاناؒ کا یہ صدقۂ جاریہ تشنگان علوم نبوت کے لئے تا قیامت چشمۂ صافی ثابت ہوگا۔

۳......مولاناؒ کی عظیم امانت مجلس تحفظ ختم نبوت ملک کے ممتاز عالم دین اور خانقاہ سراجیہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا خان محمدؒ کے سپرد ہے۔جماعت کے تمام ساتھی مولانا محمد شریف جالندھری، مولانا محمد حیات فاتح قادیان، مولانا عبدالرحمٰن میانوی، تاج محمود، سردار امیر عالم خان لغاری، مولانا غلام محمد بہاولپوری، مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا منظور احمد شاہ، حاجی بلند اختر لاہور، حاجی سیف الرحمٰن

بہاولپوری، قاضی فیض احمد ٹوبہ ٹیک سنگھ، مولانا نورالحق نور پشاور، حاجی لال حسین کراچی، میر شکیل الرحمٰن، مولانا محمد رمضان راولپنڈی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا اللہ وسایا صاحب، مولانا قاضی اللہ یار، مولانا بشیر احمد، حاجی محمد اشرف، مولانا خدا بخش ربوہ اور جماعت کے سینکڑوں ہزاروں وفادار بہادر ایثار پیشہ کارکن اور رضا کار اُن کے ساتھ ہیں۔ یہ عہد کر چکے ہیں کہ وہ امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مجاہد ختم نبوت حضرت محمد علی جالندھریؒ، مولانا لال حسین اخترؒ اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے اس عظیم مشن کو جاری رکھیں گے اور ان کی عظمتوں کے پرچم لہراتے رہیں گے۔

تذکرہ مجاہد ختم نبوت حضرت بنوریؒ:

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کے دوران مردان کے ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''میں نے آخری فیصلہ کیا ہوا ہے، اپنے سامان میں اپنے ساتھ کفن رکھا ہوا ہے یا تو قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت تسلیم کیا جائے گا یا ہم اپنی جان کا نذرانہ پیش کردیں گے، اس کے علاوہ اور کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے''۔

اسی تحریک میں جب اپنے قائم کردہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی سے روانہ ہونے لگے تو حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کو بلاکر فرمایا کہ میں اپنے ساتھ کفن لئے جارہا ہوں، پھر سامان سے کفن نکال کر دکھایا اور فرمایا: زندہ رہا تو واپس آجاؤں گا، اگر شہید ہوگیا تو یہ مدرسہ تمہارے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس کی حفاظت کرنا۔

۱۹۷۴ء میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی امارت کے لئے آپ کو منتخب کیا گیا، جاننے والے جانتے ہیں کہ کتنی منتوں سماجتوں، کتنے استخاروں، دعاؤں اور مشوروں کے بعد آپ نے یہ منصب قبول فرمایا۔ ابھی ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی امارت قبول کئے آپ کو چند مہینے نہیں گزرے تھے کہ ربوہ اسٹیشن کا سانحہ پیش آیا، جس کے نتیجے میں ملک گیر تحریک چلی اور اس نے غیر معمولی شکل اختیار کرلی۔ اس کی قیادت کے لئے تمام جماعتوں پر مشتمل مجلس عمل تحفظ ختم نبوت تشکیل پائی تو باصرار اس کی صدارت کے لئے آپ کو منتخب کیا گیا۔ حضرت قدس سرہ نے اس تحریک کے دوران جس تدبر وفراست جس اخلاص وللّٰہیت جس صبر واستقامت اور جس ایثار وقربانی سے ملی قیادت کے فرائض انجام دیئے، وہ ہماری تاریخ کا ایک مستقل باب ہے۔ ان دنوں حضرت پر سوز وگداز کی جو کیفیت طاری رہتی تھی، وہ الفاظ کے جامہ تنگ میں نہیں سما سکتی، حق تعالیٰ نے آپ کے اسی سوز دروں کی لاج رکھی اور قادیانی ناسور کو جسد ملت سے کاٹ کر جدا کردیا گیا۔ **(جاری ہے)**

اشک ہائے فراق بوفات الشیخ البنوری رحمہ اللہ

متوفی ۳رذوالقعدۃ ۱۳۹۷ھ ۱۸راکتوبر ۱۹۷۷ء

مرسلہ: مولانا محمد عمران ولی، استاذ جامعہ

زیرنظر نذرانۂ عقیدت حضرت مفتی محمد ولی درویش رحمہ اللہ نے محدثُ العصر حضرت علامہ بنوری علیہ الرحمۃ کے سانحۂ ارتحال پر بتاریخ ۱۲ر ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ بمطابق ۱۹۷۸ء حوالۂ قرطاس وقلم کیا تھا، جب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تخصص فقہِ اسلامی جامعہ بنوری ٹاؤن میں زیرتعلیم تھے، جو کہ آج سے تقریباً ۳۴ سال قبل کی بات ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائری سے ہدیۂ قارئین ہے۔

تیری ٹھوکر میں پڑا مرزائیت کا تاج ہے

لُٹ گیا گلشن بہاروں کا مزہ جاتا رہا
حسرتا سب لالہ زاروں کا مزہ جاتا رہا
غم کی بدلی بزم میں ہے ہر طرف چھائی ہوئی
میکدہ میں میگساروں کا مزہ جاتا رہا
کس قدر بے کیف ہیں یہ محفلیں تیرے بغیر
لوٹ آئیں گی کہاں وہ رونقیں تیرے بغیر
تیری محفل کے لئے آنکھیں ترستی ہیں مری
ٹوٹ کر آنکھیں بھی مرقد پر برستی ہیں مری
روشنی اسلام کی دنیا میں پھیلاتا رہا
حق سے برگشتہ کو سیدھی راہ پر لاتا رہا
مدتوں طاغوت کی طاقت سے ٹکراتا رہا
تیرے دم سے وہ غرورِ قادیاں جاتا رہا
مجلس ختم نبوت کا مسلّم تاجدار
حضرت علامہ انور شاہؒ کا اِک یادگار

عمر بھر حق کے لئے لڑتا رہا مردانہ وار
دوریٔ منزل سے گھبرایا نہ تیرا راہوار
علم کے میدان میں بھی سب سے تو آگے رہا
رحمتیں اللہ کی ہوں تجھ پہ بے حد بے شمار
دین احمد مصطفیٰ ﷺ کی تونے رکھی لاج ہے
تیری ٹھوکر میں پڑا مرزائیت کا تاج ہے
حق کی خاطر ہر مصیبت کو کیا تو نے قبول
تو نہ ہوتا تھا کبھی زخمِ حوادث سے ملول
زندگی کی کیا تری اس کے سوا تعبیر ہو
خوگرِ حمد خدا و خوگرِ عشق رسول
دیں کی خاطر تجھے رنج والم منظور تھا
یہ زمانے میں ترے اسلاف کا دستور تھا

....

www.banuri.edu.pk

قدیم قرآنی مصاحف

اورملتِ اسلامیہ کی قرآنی خدمات

مولانا محمد بلال بربری

(دوسری اور آخری قسط)

زیرنظر تحریر مشہور زمانہ شخصیت علامہ محمد زاہد کوثریؒ کے مضمون ''**مصاحف الأمصار وعظیم عنایة هذه الأمة بالقرآن الکریم فی جمیع الأدوار**'' کا ترجمہ ہے۔

ایک ہی مصحف میں تمام سورتوں اور آیات کا جمع کرنا عہد نبوی میں اس وجہ سے ممکن نہیں ہو سکا تھا کہ آخری وحی الٰہی کے نزول اور آپ ﷺ کے رفیق اعلیٰ سے مل جانے کی درمیانی مدت بہت تھوڑی تھی، اور واضح بات ہے کہ نزول قرآن کریم ہی کے زمانے میں ایک مصحف میں جمع ہونے کا تصور ہو بھی کیسے سکتا ہے؟۔

عہد صدیقی میں صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت کی زیرنگرانی، ہر سورت علیحدہ مصحف اور اوراق میں آیات کی ترتیب کے ساتھ حضرت زید بن ثابتؓ کے خط سے تحریر ہوئی۔ کتابت کا طرز وہی رکھا گیا جو آپ ﷺ کی موجودگی میں تحریر کیا گیا تھا، جب کہ دو گواہوں کے ذریعے یہ ثابت بھی ہو جاتا کہ یہ تحریر آپ ﷺ کے سامنے ہوئی ہے۔ یہ طرز عمل درحقیقت آپ ﷺ کے سامنے اور صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ہونے والی طرز کتابت کی حفاظت میں بطور مبالغہ اختیار کیا گیا تھا۔ یہاں گواہوں کی ضرورت اصل قرآن کریم کے الفاظ کے ثبوت کے لئے ہرگز نہ تھی، اس لئے کہ حفاظ صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ حضرت خزیمہؓ کی حدیث سے بھی واضح طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شہادت ان لکھے ہوئے قطعات کے آپ ﷺ کے سامنے لکھے ہوئے ہونے پر لی جاتی تھی۔

جنگ یمامہ میں صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد کا بیک وقت شہید ہو جانا، حضرت عمرؓ کی اس رائے کا باعث تھا کہ قرآن کریم کو صحف میں نقل کر دیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اس بارے میں

اول تردد کرنا اس اندیشے کی بنا پر تھا کہ پھر قرآن کریم کی حفاظت کے لئے، قرآن کریم یاد کرنے سے زیادہ انحصار کتابت پر ہو جائے گا اور لوگ قرآن کریم یاد کرنے میں سستی برتنے لگیں گے۔ یہ تردد اس لئے نہیں تھا کہ آپؓ قرآن کریم کی نفس کتابت میں کوئی حرج محسوس کررہے تھے۔ خود باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ''رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ''. (البینۃ:۲) اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوئے قرآن کریم کے صحف میں نقل کرنے پر تردد کا تصور بھی کیسے کیا جاسکتا ہے؟

صحابہ کرامؓ عام یا جنگی اسفار کے دوران اپنے ساتھ قرآن کریم کا کوئی حصہ مکتوب صورت میں اس لئے نہیں رکھتے تھے کہ کہیں دشمن اس کو پاکر اس کی بے حرمتی نہ کریں، نیز اس بارے میں وہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد مبارک کو مدنظر رکھتے تھے کہ آپ ﷺ نے دشمن کی سرزمین میں قرآن لے کر جانے سے ممانعت فرمائی تھی۔ جنگ یمامہ کے شہداء قراء صحابہ کرامؓ بھی آپ ﷺ کی اسی ممانعت کی بنا پر آپ ﷺ کی موجودگی میں لکھی ہوئی قرآنی تختیاں اپنے گھروں میں چھوڑ کر جنگ پر روانہ ہوئے تھے۔ ممکن تھا کہ قرآن کریم کو ان تختیوں سے صحف میں منتقل کرنے سے پہلے اسی طرح کا کوئی اور حادثہ رونما ہو جائے اور پھر قرآن کریم کے جمع کرنے میں حفاظ صحابہ کرامؓ کی یادداشت کی مدد سے قرآن کریم منتقل کیا جائے، اس طرح وہ رسم الخط جو نبی کریم ﷺ کے سامنے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں اختیار کیا گیا تھا، ضائع ہو جائے۔ درحقیقت حضرت عمرؓ کی پیش کردہ تجویز کی بنیاد یہی ہے۔ اسی تجویز پر حضرت ابوبکر صدیقؓ سمیت تمام صحابہ کرامؓ کا اتفاق بھی ہوگیا، اس طرح حضرت زیدؓ کے خط سے صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت کی زیرنگرانی ہر ہر سورت کی آیات علیحدہ علیحدہ مصاحف میں جمع کردی گئیں، چنانچہ ان متفرق صحیفوں سے سینکڑوں مصاحف تحریر کئے گئے۔

جب اسلامی فتوحات کی کثرت ہوئی اور دور دراز شہروں میں تلاوت میں اغلاط کثرت سے پیش آنے لگیں، تب صحابہ کرامؓ کا حضرت عثمانؓ کے عہد مبارک میں اجماع ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحیفوں کے ذریعے معروف قراء کی نگرانی میں چند مصاحف تیار کئے جائیں اور انہیں مسلم علاقوں کی طرف روانہ کیا جائے، تاکہ تمام شہروں کے لوگ اپنے اپنے مصاحف کا صحابہ کرامؓ کی نگرانی میں تیار شدہ مصاحف سے تقابل کرکے اپنی اغلاط درست کرسکیں، اور تلاوت و کتابت کے سلسلے میں بھیجے گئے مصحف کی اتباع کریں، نیز دیگر تمام مصاحف جنہیں مختلف افراد نے انفرادی طور پر تحریر کیا ہے اور اس میں غلطی کے شکار ہوئے ہیں، ان سب مصاحف کو چھوڑ دیں۔ اس پر کسی صحابیؓ نے انکار نہیں فرمایا، بلکہ خود حضرت ابی ابن کعبؓ کتابت میں حضرت زیدؓ کے جملہ مددگاروں میں سے ایک تھے۔

علامہ ذہبیؒ کو جو یہ اصرار ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی وفات پہلے ہوچکی تھی تو یہ ان کا وہم ہے۔ بلکہ ان سے بڑھ کر حضرت ابن مسعودؓ نے (باوجود یہ کہ انہوں نے کتابت کا کام سپرد نہ کئے جانے پر کچھ برا منانے کا اظہار کیا تھا) اس اہم کام میں مفوضہ جماعت کی موافقت اور مدد فرمائی، جیسا کہ منقول ہے کہ جب ان کی خدمت میں کچھ لوگ کسی سلسلے میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ''قرآن کریم تمہارے پیغمبر کی طرف سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا ہے''۔

حضرت زید بن ثابتؓ وہ مرکزی شخصیت تھے، جنہیں کتابت کا یہ کام بنیادی طور پر سپرد ہوا تھا، ان کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ایک جماعت بھی معاونت کرتی تھی۔ اسی طرح عہد صدیقی میں بھی حضرت زیدؓ ہی کا کتابت میں مرکزی کردار تھا۔ لہٰذا اگر حضرت عثمانؓ نے حضرت زیدؓ کو قرآن کریم کی نقل و کتابت کا کام سپرد کیا تھا تو اس پر حضرت ابن مسعودؓ کے ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی، اس لئے کہ عہد صدیقی میں وہ یہ کام انجام دے چکے تھے۔ ان دونوں زمانوں میں حضرت زیدؓ کے اختیار کی وجہ یہی تھی کہ وہ کتابت وحی کے لئے جملہ کاتبین وحی میں سے سب سے زیادہ آپ ﷺ کی ملازمت اختیار کئے ہوئے تھے، نیز وہ جوان تھے، زور بازو رکھتے تھے اور رسم الخط بھی بہتر جانتے تھے، لہٰذا وہی زیادہ موزوں تھے، بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کے لئے مصحف کریم کی کتابت میں حضرت زیدؓ کو چننے میں حضور اکرم ﷺ کی سنت کی پیروی بھی تھی۔

کتابت قرآن کریم میں ان کی طویل ممارست اور مشق کی وجہ سے انہیں رسم الخط کو ایک ہی طرز پر رکھنے میں بھی مہارت ہوچکی تھی اور کتابت قرآن کے تمام ادوار میں ایک ہی رسم الخط کا رکھنا انتہائی مطلوب تھا۔ اس مشقت آمیز عمل کے لئے معمر صحابہ کرامؓ کا انتخاب ان پر بے جا بار رکھنے کے مترادف تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ کے فضل و کمال، ان کے سابق الاسلام ہونے اور قرآن کریم کے علوم و معارف دانی میں ان کی وسعت کا کسی صحابیؓ کو کوئی انکار نہیں تھا، لیکن صحابہ کرامؓ نے اس سلسلے میں ان کے ناخوش ہونے کا کوئی سبب نہیں پایا، مزید برآں وہ کوفہ میں ایک انتہائی اہم کام میں پہلے سے ہی مصروف تھے۔ اہل کوفہ کو دین اسلام کی فقہ پڑھانا اور قرآن کریم سکھلانا ان کے مشاغل تھے، لہٰذا کوفہ سے چند سالوں کے لئے ان کا دور رہنا اس علم کی نشر و اشاعت کے لئے کسی طرح بھی موزوں نہیں تھا، جس علم کا انہوں نے کوفہ میں بیج ڈالا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس ضروری تھا کہ وہ کوفہ میں اس کی آبیاری کرتے رہیں، تاکہ آنے والے دور میں اس کے پھل سے اُمت فیض یاب ہوتی رہے۔

پانچ سال کی مدت تک نسخ مصاحف کمیٹی کا کام جاری رہا، اور تحقیق کے مطابق یہ زمانہ سن پچیس

ہجری سے سن تیس ہجری تک کا ہے۔اس کے بعد تحریر شدہ مصاحف کی نقول مختلف علاقوں کو روانہ کر دی گئیں۔حضرت عثمانؓ نے مکہ، بصرہ، شام اور کوفہ روانہ کرنے کے بعد ان میں سے ایک مصحف اہل مدینہ کے لئے اور ایک مصحف خود اپنے لئے رکھ لیا۔ یہ مصاحف ان مشہور اور معروف قراء کی زیرنگرانی تیار ہوئے تھے، جن کی شہرت قرآن سنانے اور دور کرنے کروانے میں عام تھی۔امت نے حضرت عثمانؓ کے اس کارنامے پر ان کا تہہ دل سے شکرادا کیا، جن میں سرفہرست حضرت علیؓ تھے، جو فرمایا کرتے تھے، ''اگر مجھے ولایت وخلافت کے امور سونپے جاتے تو میں بھی مصاحف کے سلسلے میں وہی کچھ کرتا جو حضرت عثمانؓ نے فرمایا''۔ابوعبیدؒ نے ''**فضائل القرآن**'' میں حضرت علیؓ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے،اور اس کی سند یوں بیان فرمائی ہے :''**عن عبد الرحمٰن بن مهدی عن شعبة عن علقمة بن مرثد عن سوید بن غفلة عن علی کرم الله وجهه**''. (یعنی عبدالرحمٰن بن مهدی نے شعبہ سے،شعبہ نے علقمہ بن مرثد سے، علقمہ نے سوید بن غفلہ سے،اور سوید نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے نقل فرمایا......الخ)

آپ ﷺ کی طرف سے سب سے آخر میں پیش کردہ قرآن کریم میں موجود قرءات یہ قرآن کریم کی بعض قرءات ہیں۔ان میں سے جن جن قرءات کا اس مصحف میں باعتبار رسم الخط کے جمع کرنا ممکن ہوا، انہوں نے ان لکھے ہوئے مصاحف کے رسم الخط میں جمع کر دیں، اس لئے کہ اس وقت تک صحابہ کرامؓ کے درمیان رائج رسم الخط میں نقطوں اور اعراب کا کوئی نشان نہیں ہوا کرتا تھا، بلکہ وہ حضرات الفاظ کے درمیان آنے والے الفوں کی کتابت سے بھی مستغنی تھے۔یہی وجہ ہے کہ ایک ہی رسم الخط میں ان کے لئے ''**فتبینوا**'' اور ''**فتثبتوا**''، ''**ینشرکم**'' اور ''**یسیرکم**'' وغیرہ کئی ایک متواتر قرءات کو بیک وقت جمع کرنا ممکن تھا۔ وہ قرءات جن کا ایک ہی خط میں جمع کرنا ممکن نہ ہوتا تھا، اس کو انہوں نے مختلف مصاحف میں تقسیم کر دیا تھا۔

ان مصاحف میں موجود رسم الخط کی مکمل تفصیلی کیفیت اس وقت سے آج تک اس سلسلے کی مختص کتب میں مل جاتی ہے۔اس موضوع سے متعلق جس کتاب کا حصول آسان ہے، وہ دانیؒ کی ''**المقنع**'' اور ''**المحکم**'' ہے، انہوں نے ان دونوں کتب میں متقدمین کی رسم الخط میں تالیف کردہ کتب کو تلخیص کیا ہے۔اسی طرح سینکڑوں قراء اس زمانے سے آج تک ہر طبقے میں موجود رہے ہیں، جو ان کلمات کے املاء کی کیفیات سے واقف ہیں۔خود ہی دیکھ لیجیے کہ قراء کے تمام طبقات کے چنیدہ اشخاص کی قرآنی رسم الخط کے متعلق تالیف کردہ کتب کثرت کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہیں۔

انہی مصاحف میں کوفہ کا مصحف، سجلیؒ کے بیان کے مطابق وہی مصحف ہے جو طرسوس (جو کہ

جزیرۂ ارواد کے سامنے، اور شام کے علاقے طرابلس کے قریب واقع ہے) میں امام سخاویؒ کے عہد تک محفوظ رہا، اس کے بعد قلعۂ حمص منتقل ہوگیا۔ نابلسیؒ اپنے طویل سفرنامے میں سن گیارہ سوصدی ہجری میں لکھتے ہیں کہ یہ مصحف وہاں پر عمومی جنگ تک محفوظ رہا، اس کے بعد اس کی حفاظت پر مامور لوگوں نے اس مصحف کو دارالخلافہ قسطنطنیہ منتقل کردیا۔

اسی طرح مدینہ منورہ کا مصحف بھی صدیوں سے روضہ مبارکہ میں محفوظ چلا آرہا تھا، عمومی جنگ کے دورانیہ میں دارالخلافہ منتقل کردیا گیا۔ جنگ کے اختتام پر شاید یہ مصحف دوبارہ مدینہ منورہ منتقل کردیا گیا ہے۔ شام کا مصحف وہی تھا جو ایک عرصے تک طبریہ میں رہا اور اس کے بعد دمشق منتقل ہوگیا۔ ابن جزریؒ کے عہد تک یہ مصحف مسجد توبہ میں محفوظ رہا۔ اس کے بعد عمومی جنگ سے پیشتر جامع اموی میں حجرۃ الخطیب میں محفوظ رہا۔ ازاں بعد عمومی جنگ کے دوران یہ مصحف بھی دارالخلافہ منتقل کردیا گیا۔

ہمارے زمانے کی مشہور صاحب علم شخصیت شیخ عبدالحکیم افغانیؒ کو وفات سے کچھ سال قبل جب کہ عمومی جنگ برپا نہیں ہوئی تھی، یہ خیال الہام ہوا تھا کہ قرآن کریم کی ایک نقل دمشق کے مصحف سے اسی کے رسم الخط کے موافق تیار کرلی جائے۔ شاید کہ ان کو یہ محسوس ہوگیا تھا کہ شام میں موجود یہ مصحف منتقل ہونے والا ہے، چنانچہ خود انہی نے یہ مصحف اپنے مبارک ہاتھوں سے مکمل نقل کرلیا تھا۔ آج تک یہ مصحف شیخ عبدالحکیمؒ کے بعض تلامذہ کے ہاں محفوظ ہے۔ شیخ عبدالغنی نابلسیؒ کی کتاب **"الحقیقة والمجاز فی رحلة الشام ومصر والحجاز"** میں حمص اور مصر میں موجود ان قدیم مصاحف کا تعارف موجود ہے، جو خود شیخ نابلسیؒ نے وہاں ملاحظہ فرمائے تھے۔ **"منادمة الأطلال"** میں شامی مصاحف کے متعلق اخیر عہد کے کچھ حالات بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کا مصحفِ خاص جو کہ ابوعبیدؒ کو کسی خزانے سے دستیاب ہوا تھا، جیسا کہ کتاب **"عقیلہ"** اور اس کی شروح میں موجود ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ وہی مصحف ہو جس کا ذکر مقریزیؒ نے **"خطط"**، میں جامع عمرو میں موجود حضرت اسماءؓ کے مصحف کے بارے میں بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ حضرت اسماءؓ کا یہ مصحف وہی ہے جس میں غلطی کی نشاندہی کرنے والے کے لئے عبدالعزیز بن مروان نے انعام کا اعلان کیا تھا، چنانچہ ایک کوفی قاری نے بجائے لفظ **"نعجة"** کے، **"نجعة"** ہونے کی نشاندہی کرنے پر انعام بھی حاصل کیا تھا۔ بعد میں یہ مصحف آثار نبویہ کی منتقلی سمیت قاہرہ کے قبۂ غوری میں منتقل کردیا گیا تھا۔ اس کے بعد انہیں آثار کے ساتھ مشہد حسینی منتقل کردیا گیا۔ علامہ شیخ بخیتؒ نے **"الکلمات الحسان"** میں اس کی صفات بیان کی ہیں۔

کئی دھوکے باز لوگوں نے بعض قدیم مصاحف کوخون سے آلودہ کر کے لوگوں کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش بھی کی ہے کہ یہ مصحف حضرت عثمانؓ کا ہے، اور یہ خون انہی کا ہے، جوقتل کے وقت ان کے جسم سے نکل کرمصحف پر گرا تھا۔کئی ایک ایسے ہی خون آلود مصاحف کتب کے عجائب گھروں میں رکھے ہوئے ہیں، اللہ ان بدبختوں سے انتقام لے گا، ان شاء اللہ!۔

ملک ظاہر بیبرس نے منگول حکمران (جس کا شمالی علاقہ جات ''وولجا'' اوراس سے ملحقہ علاقوں پر تسلط تھا) کو جو اسلام قبول کرنے کی کامیاب دعوت دینے کی غرض سے مصحف روانہ کیا تھا، باوجود یہ کہ مشہور یہی ہے کہ وہ مصحف عثمانی تھا، تاہم وہ درحقیقت مصحف عثمانی نہیں تھا، اس لئے کہ اس کا رسم الخط بعض مقامات پر مصحف عثمانی کے رسم الخط سے مختلف تھا، جیسا کہ علامہ شہاب جرجانیؒ نے ''**وفیات الأسلاف وتحیات الأخلاف**'' میں اس مصحف کے رسم الخط اور مصحف عثمانی کے رسم الخط کا متعلقہ کتب مثلاً ''**الرائیة**''، وغیرہ کی روشنی میں تقابل کر کے تحقیق ذکر کی ہے۔البتہ یہ بات درست ہے کہ وہ انتہائی قدیم مصحف تھا، جو عہد صحابہؓ کا لکھا ہوا تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر بیبرس کا بھیجا ہوا یہ مصحف وہی ہے، جو منگول کی حکومت کے شمالی علاقہ جات سے ختم ہونے اور روس کے سمرقند پر تسلط حاصل کر لینے کے وقت سمرقند کی جامع مسجد عبیداللہ احرار سمرقندی میں محفوظ تھا۔اس مصحف کو انہوں نے صدی کے اختتام پر قیصر روس کے کتب خانے میں منتقل کر دیا تھا، اوران کی حکومت کے اختتام پذیر ہونے تک یہ مصحف وہیں محفوظ رہا۔کہا جاتا ہے کہ ان کی سلطنت کے اختتام پذیر ہونے کے بعد تقریباً پندرہ سال کے اندر اندر دوبارہ جامع مسجد سمرقند میں رکھوا دیا گیا تھا، لیکن ناسمجھ مسلمانوں نے وہاں سے اس کے اوراق تبرک کے نام پر چوری چھپے لے جانے شروع کر دیئے، جس کی وجہ سے یہ عظیم القدر قدیم مصحف ضائع ہوگیا۔خیر! اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کے بارے میں معاملات باری تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہی ہوا کرتے ہیں۔

بعض قدر دانوں کو اس مصحف کے بقیہ اجزاء کی فوٹو لینے کا موقعہ مل گیا (چنانچہ انہوں نے اس کی فوٹو نکال کر محفوظ کر لی)۔ ان مصاحف کی اپنی تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے، اگر چہ رسم الخط کی معرفت کے لئے ان کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ جیسا ہم نے ذکر کیا کہ ہر زمانے میں اس کی تدوین ہوتی رہی ہے۔قراء صحابہ کرامؓ کی کوششیں، جو دور دراز علاقوں میں قرآن کریم حفظ کروانے اور سکھلانے کے لئے بھیجے گئے تھے، قابل صد تکریم ہیں اور انتہائی شکریے کی مستحق ہیں۔صحابہ کرامؓ کے حالات، ممالک کی تاریخ، اور مختلف علاقوں کے قراء کرام کی سوانحات اور سرگزشت حیات میں تحریر کردہ

کتب ان کی قابل تعریف کوششوں کے بیان سے بھرپور ہیں۔ ہماری اس بات کے شواہد آپ کو ابوزرعہؒ دمشقی کی ”**تاریخ دمشق**“، ابن ضریسؒ کی ”**فضائل القرآن**“، ابن عساکرؒ کی ”**تاریخ دمشق**“، اور ذہبیؒ کی ”**طبقات القراء**“ وغیرہ جملہ متداول کتب میں مل سکتے ہیں۔

مفتوحہ علاقوں کی وسعت اور کثرت نیز تمام ممالک اسلامیہ کے لوگوں کی قرآن کریم کی تعلیم و تعلم پر خصوصی توجہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے عہد میں بھی موجود مصاحف کی تعداد لاکھ سے کم ہرگز نہیں ہوگی، بلکہ حضرت عمر فاروقؓ نے تو ان طلبا کے لئے جو قرآن کریم یاد کرتے تھے باقاعدہ بیت المال سے وظائف کا اجرا فرما رکھا تھا۔ تاہم جب انہیں یہ خوف لاحق ہوا کہ لوگ صرف قرآن کریم کے حفظ میں مشغول ہو جائیں گے اور اس کے سمجھنے اور تفقہ حاصل کرنے کو چھوڑ بیٹھیں گے تب آپؓ نے یہ سلسلہ بند فرمایا۔ جو حضرات صحابہ کرامؓ قرآن کریم حفظ کروانے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی روشنی میں فقہ و مسائل بھی سکھلاتے تھے، ان میں حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ بھی شامل ہیں۔

کوفہ میں جنہوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے قرآن کریم اور فقہ و مسائل کے علوم بیک وقت حاصل کئے، ان کی تعداد بے شمار ہے۔ اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ عبدالرحمٰن بن اشعثؒ کی معیت میں بنو امیہ کی مخالفت میں اٹھنے والی جماعت میں صرف قراء کی تعداد چار ہزار تھی، اور وہ تابعین حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد یا ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اپنے شاگردوں کو مختلف حلقوں میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے، اور ہر حلقے کے لئے ایک نگران مقرر کرتے تھے، پھر بصرہ کی جامع مسجد میں خود روزانہ ان تمام حلقوں کی سورج کے طلوع ہونے سے ظہر کے وقت تک نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابودرداءؓ کا بھی ملک شام میں وفات پا جانے تک دمشق کی جامع مسجد میں روزانہ کا یہی معمول تھا۔ اس مختصر سے مضمون میں ان حضرات کے قرآن حفظ کروانے اور فقہ و مسائل کا علم سکھلانے کے قابل تعریف کارنامے کی تفصیلات بیان نہیں کی جاسکتی ہیں۔

قرآن کریم اور مختلف قرءات سکھلانے میں ان کا یہی اہتمام ہمیشہ باقی رہا۔ یہ قرءات وہی متواتر قرءات ہیں، جن کا تواتر ہر طبقے میں اس طرح رہا ہے کہ اس سے مزید کسی تواتر کے پائے جانے کا تصور نہیں ہوسکتا، البتہ وہ چیدہ چیدہ قرءات جو نبی کریم ﷺ یا بعض صحابہ کرامؓ یا تابعینؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، وہ درحقیقت قرآن کریم کا حصہ ہی نہیں ہیں۔ یہ قرءات یا تو قرآن کریم کی تعلیم کے دوران ان کی طرف سے بیان کی جانے والی تفاسیر ہیں، جنہیں ازاں بعد باقاعدہ قرءات خیال کر کے شامل کر دیا

گیا، یا پھر یہ کسی پڑھنے والے سے کوئی غلطی ہوئی ہے جس کو سننے والے نے قرءات سمجھ لیا۔ یہی وجہ تھی جس کی بنا پر امام نافعؒ نے (جو قاری تھے) جب امام مالکؒ سے امامت کا منصب اختیار کرنے کے متعلق مشورہ کیا تو امام مالکؒ نے انہیں یہ کہتے ہوئے منع فرمایا کہ: ''تم قرءات کے ماہر ہو، اگر کبھی نماز میں تمہیں قرءات میں سہو ہو گیا تو عین ممکن ہے کہ کوئی شخص اس سہو کو بھی قرءات سمجھ لے اور پھر یہ سہو تمہاری طرف منسوب ہو کر بطور قرءات منقول ہونا شروع ہو جائے''۔

ان شاذ قرءات کو بھی علماء کرام نے مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے، ان میں سے بعض تو تفاسیر ہی معلوم ہوتی ہیں اور بعض خالص غلطی کی بنا پر باقاعدہ قرءات سمجھ لی گئی ہیں۔

بعض ایسی قرآ ت بھی پائی جاتی ہیں جو سراسر جھوٹی سندوں سے مروی ہیں، انہیں تو کسی صورت قرءات میں شمار کیا جانا ہی درست نہیں۔ ان میں امتیاز اور فرق کرنا انہی فن قرءات میں اختصاص یافتہ علماء کا کام ہے، جو دلائل کی روشنی میں ان کے کھرے کو کھوٹے سے الگ کر دیتے ہیں۔ ابوعبیدؒ ''فضائل القرآن'' میں، عہد عثمانی میں صحابہ کرامؓ کی زیر نگرانی تدوین ہونے والے مصحف کے بیان کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

> ''یہ وہی مصحف تھا جس کے کسی ایک حرف کے منکر پر مرتد کا حکم لاگو ہوگا، چنانچہ اس کے کسی حصے کے منکر کو توبہ کرنے کی دعوت دی جائے گی اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا''۔

اس کے بعد ان شاذ قرءات اور الفاظ کے متعلق جو تواتر کے ساتھ نقل نہیں ہوئی ہیں، حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''یہ اور اسی قسم کے کئی اور الفاظ قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہیں۔ بعض تابعینؒ سے بھی اسی قسم کے کلمات تفسیر کے بیان میں منقول ہوئے ہیں، اور ان تفاسیر کی تعریف اور تحسین بھی کی گئی ہے۔ جب تابعینؒ کی بیان کردہ ان تفاسیر کی تحسین کی گئی ہے تو کبار صحابہ کرامؓ سے منقول اسی قسم کے تفسیری کلمات کی جو بعد ازاں قرءات ہی شمار کی جانے لگیں کی تحسین میں کیسے شک ہو سکتا ہے؟ بلکہ یہ تفاسیر کے باب میں سب سے قوی ترین تفاسیر شمار ہوں گی۔ ان قرآ ت کی واقفیت حاصل کرنے کا سب سے کم تر فائدہ یہ ہے کہ ان کے ذریعے کسی اور تفسیر کی درستگی اور صحت معلوم ہو جاتی

ہے۔البتہ اس علم کی قدر صرف اہل فضل وعلم جان سکتے ہیں،عوام کواس کی افادیت کا علم نہیں ہوسکتا ہے‘‘۔

اس سے یہ خوب واضح ہوگیا کہ ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ حضرات سے جو اس طرح کے کلمات اور الفاظ منقول ہیں جو متواتر قرءات کے مخالف ہیں، ان کی حیثیت بھی تفاسیر ہی کی ہے، جیسا کہ ابوعبیدؒ کے مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی قرءات بھی ان کے کوفی شاگردوں نے متواتر طور پر نقل کی ہیں۔ عاصمؒ نے زر بن حبیشؒ سے اور زرؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے یہ قرءات نقل فرمائی ہیں۔ یہی وہ قرءات ہیں جو ابوبکر بن عیاشؒ نے حضرت عاصمؒ سے روایت کی ہیں۔ ان قرءات کا تواتر بالکل غیر متنازع ہے، اور ان قرءات میں کسی قسم کے شاذ کلمات بھی نہیں ہیں۔ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے مصحف میں سورۂ فاتحہ یا معوذتین نہیں تھے، یا وہ ان کو اپنے مصحف سے مٹایا کرتے تھے، وہ یا تو جھوٹا ہے، یا بغیر ارادے کے وہم میں مبتلا ہوگیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردوں کے ذریعے اس سے مروی متواتر قرءات میں معوذتین اور فاتحہ دونوں موجود ہیں۔ ان کی قرءات وہی ہیں جو عاصمؒ سے منقول ہیں، اور جس کو ہر زمانے میں دنیا کے گوشے گوشے میں مسلمان عرصہ دراز سے سنتے آرہے ہیں۔ ان روایات متواترہ کا اخبارِ آحاد کس طرح مقابلہ کرسکتی ہیں؟ مزید یہ کہ عام طور پر سورۂ فاتحہ اور معوذتین نماز اور دم وغیرہ کے لئے ان کے زمانے میں بھی لوگوں کو ازبر ہوتی ہوں گی، جس کی بنا پر ممکن ہے کہ ان کے کبھی نہ بھولنے کے خوف سے انہوں نے اس کی کتابت مصحف میں نہ کی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صرف معوذتین کا نام مٹا دیا گیا ہو، سورتیں اپنے حال پر موجود ہوں، جیسا کہ ان کا عام طریقہ یہی تھا کہ وہ سورتوں کے نام، ان کی آیات اور عشرات کی تعداد وغیرہ جو جو زوائد قرآن کریم کے وقت نازل نہیں ہوئے تھے، قرآن کریم کو ان سے خالی کردینے کی رائے رکھتے تھے۔ ابن حزمؒ نے اپنی کئی تالیفات میں حضرت ابن مسعودؓ کے مصحف کے بارے میں بے ہودہ باتیں کرنے والوں کو خوب اچھی طرح جواب دیا ہے۔

امت مسلمہ کی طرف سے قرآن کریم یاد کرنے اور سینوں میں محفوظ کرلینے کی ہمیشہ کی روایت جو اس کے زمانۂ نزول سے تاحال جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی، وہ خود کسی لفظ میں کسی وہم کرنے والے کے وہم یا غلطی کرنے والے کی غلطی کو درست کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ فطری امر ہے کہ تمام انسان حفظ میں، علم میں، اور فہم میں یکساں نہیں ہوا کرتے، البتہ توہمات اور غلطیاں جمہور کے ہر

زمانے میں حفظ اوران کے ضبط کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی ہیں۔ اہل علم نے قرءات کے سلسلے میں منقول الفاظ اور کلمات کی روشنی میں ان آیات اور کلمات کو جو بطور تفسیر بیان کئے گئے تھے، یا بطور غلطی کے قرءات شمار کئے گئے تھے یا کسی ناسمجھ راوی کی طرف قرءات گردان لینے، یا محض جھوٹی روایت، سب کو الگ الگ کردیا ہے، اور ہر ایک کا الگ الگ حکم بیان فرمایا ہے۔

اب سے کچھ عرصہ قبل ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغرب کے مستشرقین قرآن کریم سے متعلقہ جملہ علوم وفنون مثلاً قرءات، رسم قرآنی، شاذ قرءات، قراء کے طبقات، وغیرہ موضوعات پر متقدمین کی تصنیف کردہ کتب کی نشر واشاعت میں خاصی دلچسپی لے رہے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر علم حدیث، علم فقہ اور علم لغت وغیرہ دیگر مشرقی علوم میں تصنیف کردہ متقدمین کی کتب کی بھی نشر واشاعت میں مصروف ہیں۔ ان مستشرقین میں سے اکثریت کی کوششیں خود ان کی اس دلچسپی کے پس پردہ خطرناک مقصد کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہ پس پردہ مقصد درحقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کے پھیلائے ہوئے اس نور پر فکری اور نظریاتی حملے کئے جائیں، جس نے تاریکی میں ڈوبے ہوئے کرۂ ارضی کو روشن اور لوگوں کی بصیرتوں کو صیقل کیا تھا۔ یہ اعتراضات اسلام سے متعلق ان مستشرقین کے بے جا تعصب اور جہالت کے بھرپور عکاس ہیں۔ یہ اسلام کا نور ہی تھا، جس سے بصیرتوں کے پاک ہوجانے کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے تھے، اور یہ زمین وہ زمین نہ رہی تھی جو کسی زمانے میں تھی۔ مستشرقین چاہے اپنی کوششوں کو جھوٹ، دھوکے بازی، اور جعل سازی کے ذریعے آزادانہ علمی تحقیقات باور کرواتے رہتے ہیں، تاہم ان کے خفیہ مقاصد بالکل ظاہر ہیں۔

قرآن کریم کی حفاظت کی بیان کردہ مختصر تاریخ کی روشنی میں ہی ظاہر ہوجاتا ہے کہ ان مستشرقین کی یہ کوشش ناکام اور نامراد ہی ہوگی۔ نبی کریم ﷺ پر نازل شدہ اس بے مثل قرآن کریم سے ادنیٰ مشابہت رکھنے والا کلام پیش کرنے کی غرض سے خواہ یہ مستشرقین آسمان کی طرف زینہ لگالیں یا زمین میں سرنگ کھود ڈالیں، دور اور قریب ہر جگہ جا پہنچیں، تب بھی اس کی طرف ہرگز راہ یاب نہیں ہوسکتے۔

اگر جامعہ ازہر کی متعلقہ انتظامیہ متقدمین کی تالیف کردہ کتب کی پہلی بار یا مطبوعہ ایڈیشن کی دوبارہ اشاعت کی طرف تھوڑی سی توجہ کرلیں، اس کے ساتھ ساتھ جہاں حواشی کی ضرورت محسوس ہو، وہاں حواشی کا اضافہ کردیں، تو ان دھوکے باز لوگوں کی شرانگیزی کا سدِّ باب ممکن ہوسکے گا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے۔

ماہِ صفر کی بدعات

اور ایک من گھڑت حدیث کا جائزہ

مفتی محمد راشد ڈسکوی
رفیق شعبۂ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ''صَفَرُ المُظَفَّر'' شروع ہو چکا ہے، یہ مہینہ انسانیت میں زمانۂ جاہلیت میں منحوس، آسمانوں سے بلائیں اترنے والا اور آفتیں نازل ہونے والا مہینہ سمجھا جاتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اس ماہ میں خوشی کی تقریبات (شادی، بیاہ اور ختنہ وغیرہ) قائم کرنا منحوس سمجھتے تھے۔ اور قابلِ افسوس امر یہ ہے کہ یہی نظریہ نسل درنسل آج تک چلا آرہا ہے، حالانکہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے بہت ہی صاف اور واضح الفاظ میں اس مہینے اور اس مہینے کے علاوہ پائے جانے والے توہمات اور قیامت تک کے باطل نظریات کی تردید اور نفی فرما دی اور علی الاعلان ارشاد فرما دیا کہ: (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر) ایک شخص کی بیماری، دوسرے کو (خود بخود) لگ جانے (کا عقیدہ) ماہِ صفر (میں نحوست ہونے کا عقیدہ) اور (ایک مخصوص) پرندے کی بد شگونی (کا عقیدہ) سب بے حقیقت باتیں ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي ﷺ: "لا عَدْوَىٰ ولا صَفَرَ ولا هَامَةَ". (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الهامة، رقم الحدیث: ۵۷۷۰، المکتبة السلفية)

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں اس قسم کے فاسد و باطل خیالات ونظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسے نظریات وعقائد کو سرکارِ دوعالم ﷺ اپنے پاؤں تلے روند چکے ہیں۔

ماہِ صفر کے بارے میں ایک موضوع اور من گھڑت روایت کا جائزہ

ماہِ صفر کے متعلق نحوست والا عقیدہ پھیلانے کی خاطر دشمنانِ اسلام نے سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف منسوب جھوٹی روایات پھیلانے جیسے مکروہ اور گھناؤنے افعال سے بھی دریغ نہیں کیا، ذیل میں ایک ایسی ہی من گھڑت روایت اور اس پر ائمہ جرح وتعدیل کا کلام ذکر کیا جاتا ہے، وہ من

گھڑت حدیث یہ ہے:

''مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُہٗ بِالْجَنَّةِ''.

ترجمہ: ''جو شخص مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا، میں اُسے جنت کی بشارت دوں گا''۔

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے صفر کے مہینے کو منحوس سمجھا جاتا ہے، طریقہ استدلال یہ ہے کہ چونکہ اس مہینہ میں نحوست تھی، اس لئے سرکارِ دوعالم ﷺ نے اس مہینے کے صحیح سلامت گذرنے پر جنت کی خوشخبری دی ہے۔

تو اس بارے میں جان لینا چاہئے کہ:

یہ حدیث صحیح و معتبر نہیں ہے، بلکہ موضوع اور لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے۔اس کی نبی اکرم ﷺ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ ائمہ حدیث نے اس من گھڑت حدیث کے موضوع ہونے کو واضح کرتے ہوئے اس عقیدے کے باطل ہونے کو بیان کیا ہے، ان ائمہ میں ملاعلی قاریؒ، علامہ عجلونیؒ، علامہ شوکانیؒ اور علامہ طاہر پٹنی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں، ان حضراتِ ائمہ کا کلام ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

ملاعلی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُہٗ بِالْجَنَّةِ'' **لا أصل له''**. (الأسرار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الکبریٰ، حرف المیم، رقم الحدیث: ۴۳۷، ۲/۳۲۴، المکتب الإسلامی)

اور علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی رحمہ اللہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ:

''مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُہٗ بِالْجَنَّةِ'' **قال القاری فی الموضوعات تبعاً للصغانی: ''لا أصل له''**. (کشف الخفاء و مزیل الإلباس، حرف المیم، رقم الحدیث: ۲۴۱۸، ۲/۵۳۸، مکتبة العلم الحدیث)

اور شیخ الاسلام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُه بِالْجَنَّةِ'' **قال الصغانی: ''موضوع''. وكذا قال العراقی**. (الفوائد المجموعة فی الأحادیث الضعیفة والموضوعة للشوکانیؒ، کتاب الفضائل، أحادیث الأدعیة والعبادات فی الشهور، رقم الحدیث: ۱۲۶۰، ص: ۵۴۵، نزار مصطفیٰ الباز، مکة المکرمة)

اور علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وكذا (أی: موضوع) ''مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُه بِالْجَنَّةِ''

قزويني، وكذا قال أحمد بن حنبل: اللآلئ عن أحمد ومما تدور في الأسواق ولا أصل له. (تذكرة الموضوعات للفتني، ص: ١١٦، كتب خانه مجيديه، ملتان)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"سألته في جماعة لايسافرون في صَفَر ولا يبدء ون بالأعمال فيه من النكاح والدخول و يتمسكون بما روى عن النبي ﷺ "مَنْ بَشَّرَنِيْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُه بِالْجَنَّةِ" هل يصح هذا الخبر؟ وهل فيه نحوسة ونهى عن العمل؟......قال: أما ما يقولون في حق صفر، فذالك شيئ يذكره أهل النجوم لتنفيذ مقالتهم ينسبون إلىٰ النبي ﷺ وهو كذب محض كذا في جواهر الفتاوىٰ". (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الكراهية: ٥/ ٥٦١، دار الكتب العلمية)

ترجمہ: ''میں نے ایسے لوگوں کے بارے میں دریافت کیا جو ماہِ صفر میں سفر نہیں کرتے (یعنی: سفر کرنا درست نہیں سمجھتے) اور نہ ہی اس مہینے میں اپنے کاموں کو شروع کرتے ہیں، مثلاً: نکاح کرنا اور اپنی بیویوں کے پاس جانا وغیرہ اور اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان'' کہ جو مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا، میں اُسے جنت کی بشارت دوں گا'' سے دلیل پکڑتے ہیں، کیا نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک (سند کے اعتبار سے) صحیح ہے؟ اور کیا اس مہینے میں نحوست ہوتی ہے؟ اور کیا اس مہینے میں کسی کام کے شروع کرنے سے روکا گیا ہے؟ ......تو جواب ملا کہ ماہِ صفر کے بارے میں جو کچھ لوگوں میں مشہور ہے، یہ کچھ ایسی باتیں ہیں جو اہلِ نجوم کے ہاں پائی جاتی تھیں، جنہیں وہ اس لئے رواج دیتے تھے کہ ان کا وہ قول ثابت ہو سکے، جسے وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے، حالانکہ یہ صاف اور کھلا ہوا جھوٹ ہے''۔

نمبر:۲ اس من گھڑت اور موضوع روایت کو ایک طرف رکھیں، اس کے بالمقابل ماہِ صفر کے بارے میں بہت ساری صحیح احادیث ایسی موجود ہیں جو ماہِ صفر کی نحوست کی نفی کرتی ہیں، تو ایسی صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے موضوع حدیث پر عمل کرنا یا اس کی ترویج کرنا اور اس کے مطابق اپنا ذہن بنانا کوئی عقل مندی کی بات نہیں ہے۔

نمبر:۳ محدثین عظام کی تصریحات کے مطابق مذکورہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے، لیکن اگر کچھ لمحات کے لئے یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو بھی اس حدیث سے ماہِ

www.banuri.edu.pk

صفر کے منحوس ہونے پر دلیل پکڑنا درست نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں اس کا صحیح مطلب اور مصداق یہ ہوگا کہ چونکہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا ربیع الاول میں وصال ہونے والا تھا اور آپ ﷺ کو اپنے رب عزوجل سے ملاقات کا بے حد اشتیاق تھا، اس لئے ربیع الاول کے شروع ہونے کا انتظار تھا، چنانچہ اس شخص کے لئے آپ نے جنت کی بشارت کا اعلان فرما دیا جو ماہِ صفر کے ختم ہونے کی (اور ربیع الاول شروع ہونے کی) خبر لے کر آئے۔

خلاصۂ کلام! یہ کہ اس حدیث کا (بالفرض اگر صحیح ہوتی) ماہِ صفر کی نحوست سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، بلکہ اُسے محض مسلمانوں میں غلط نظریات پھیلانے کی غرض سے گھڑا گیا ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ کی شرعی حیثیت

ماہِ صفر کے بارے میں لوگوں میں مشہور غلط عقائد ونظریات میں سے ایک اس مہینے کے ''آخری بدھ'' کا نظریہ بھی ہے کہ اس بدھ کو نبی اکرم ﷺ کو بیماری سے شفا ملی اور آپ ﷺ نے غسلِ صحت فرمایا، لہٰذا اس خوشی میں مٹھائیاں بانٹی جاتی ہیں، شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور بہت سے علاقوں میں تو اس دن خوشی میں روزہ بھی رکھا جاتا ہے اور خاص طریقے سے نماز بھی پڑھی جاتی ہے، حالانکہ یہ بالکل خلافِ حقیقت اور خلافِ واقعہ بات ہے، اس دن تو نبی اکرم ﷺ کے مرضِ وفات کی ابتداء ہوئی تھی، نہ کہ مرض کی انتہاء اور شفاء۔ یہ افواہ اور جھوٹی خبر دراصل یہودیوں کی طرف سے آپ ﷺ کی مخالفت میں آپ ﷺ کے بیمار ہونے کی خوشی میں پھیلائی گئی تھی اور مٹھائیاں تقسیم کی گئی تھیں۔

ذیل میں اس باطل نظریئے کی تردید میں اکابر علماء کے فتاویٰ اور دیگر عبارات پیش کی جاتی ہیں، جن سے اس رسمِ بد اور غلط روش کی اور صفر کے آخری بدھ میں نبی اکرم ﷺ کے شفایاب ہونے یا بیمار رہنے کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ روزہ رکھنے کا شرعی حکم

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ''امداد المفتین'' میں ایک سوال کے جواب میں صفَر کے آخری بدھ کے روزے کی شرعی حیثیت واضح کرتے ہیں، جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

> ''سوال: ماہِ صفر کا آخری چہارشنبہ بلادِ ہند میں مشہور بایں طور ہے کہ اس دن خصوصیت سے نفلی روزہ رکھا جاتا ہے اور شام کو کچوری یا حلوہ پکا کر کھایا جاتا ہے، عوام اس کو ''کچوری روزہ'' یا ''پیر کا روزہ'' کہتے ہیں، شرعاً اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟
>
> جواب: بالکل غلط اور بے اصل ہے، اس [روزہ] کو خاص طور سے رکھنا اور ثواب کا عقیدہ

رکھنا بدعت اور ناجائز ہے، نبی اکرم ﷺ اور تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم سے کسی ایک ضعیف حدیث میں [بھی] اس کا ثبوت بالالتزام مروی نہیں اور یہی دلیل ہے اس کے بطلان و فساد اور بدعت ہونے کی، کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں، جو نبی اکرم ﷺ نے امت کو تعلیم کرنے سے بخل کیا ہو۔ (امداد المفتین، فصل فی صوم النذر وصوم النفل، ص:۴۱۶، دارالاشاعت)

ماہِ صفر کے آخری بدھ ایک مخصوص طریقے سے ادا کی جانے والی نماز کا حکم

اس دن میں روزہ رکھنے کی طرح ایک نماز بھی ادا کی جاتی ہے، جس کی ادائیگی کا ایک مخصوص طریقہ بیان کیا جاتا ہے، اس نماز کو بتلانے والے حضرات صوفیانِ کرام ہیں، نماز کا طریقہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ماہِ صفر کے آخری بدھ دو رکعت نماز، چاشت کے وقت، اس طرح ادا کی جائے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد "قل اللّٰهم مالک الملک" والی دو آیتیں پڑھیں اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد "قل ادعوا اللّٰه أو ادعوا الرحمن" والی دو آیتیں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجیں اور ان الفاظ سے دعا کریں "اللّٰهم اصرِف عنّي شرَّ هذا اليومِ واعصِمْنِي شُؤمَه واجْعَلْه عليَّ رحمةً وبركةً وجنِّبْنِي عَمّا أخافُ فيه من نُحوساته وكرباته بفضلك يا دافعَ الشرور، ويا مالكَ النشور، يا أرحمَ الراحمين"۔

اس طریقۂ نماز کی تخریج علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة" میں کی ہے، آپ لکھتے ہیں:

> ومنها: "صلاة الأربعاء الآخر" من شهر صفَر وهي ركعتان تصليان وقت الضحىٰ، في أولٰهما يقرأ بعد الفاتحة ﴿قل اللّٰهم مالك الملك﴾ الآيتين مرّةً وفي الثانية ﴿قل ادعوا اللّٰه أو ادعوا الرحمن﴾ الآيتين ويصلي على النبي بعد ما يسلِّم، ثم يقول: "اللّٰهم اصرِف عنِّي شرَّ هذا اليومِ واعصِمْنِي شُؤمَهُ واجْعَلْه عليَّ رحمةً وبركةً وجنِّبْنِي عَمّا أخافُ فيه من نُحوساته وكرباته بفضلك يا دافعَ الشرور، ويا مالكَ النشور، يا أرحمَ الراحمين". (مجموعة رسائل اللكنوي، "الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة"، فيذكر صلوات وأدعية مخصوصة، القول الفيصل في هٰذا المقام: ۵/۹۴، إدارة القرآن كراتشي)

اس کے بعد حضرت علامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "اس قسم کی مخصوص طریقوں سے ادا کی جانے والی نمازوں کا حکم یہ ہے کہ اگر اس مخصوص طریقہ کی شریعت میں مخالفت موجود ہو تو کسی کے لئے ان منقول طریقوں کے مطابق نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے اور یہ مخصوص طریقے والی نماز شریعت

سے متصادم نہ ہو تو پھر ان طریقوں سے نماز ادا کرنا مخصوص شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے جائز ہے، وگرنہ جائز نہیں ہے۔

وہ شرائط یہ ہیں:

۱:...... اِن نمازوں کو ادا کرنے والا اِن کے لئے ایسا اہتمام نہ کرے، جیسا کہ شرعاً ثابت شدہ نمازوں (فرائض وواجبات وغیرہ) کے لئے کیا جاتا ہے۔

۲:......ان نمازوں کو شارع علیہ السلام سے منقول نہ سمجھے۔

۳:......ان منقول نمازوں کے ثبوت کا وہم نہ رکھے۔

۴:......ان نمازوں کو شریعت کے دیگر مستحبات وغیرہ کی طرح مستحب نہ سمجھے۔

۵:......ان نمازوں کا اس طرح التزام نہ کیا جائے جس کی شریعت کی طرف سے ممانعت ہو۔ جاننا چاہئے کہ ہر مباح کام کو جب اپنے اوپر لازم کرلیا جائے، تو وہ شرعاً مکروہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ موجودہ زمانے میں ایسے افراد معدوم (نہ ہونے کے برابر) ہیں، جو مذکورہ شرائط کی پاسداری رکھ سکیں اور شرائط کی رعایت کئے بغیر ان نمازوں کو ادا کرنے کا حکم اوپر گذر چکا ہے کہ یہ عمل ''نیکی برباد، گناہ لازم'' کا مصداق تو بن سکتا ہے، تقرب الی اللہ کا نہیں۔

''والحكم في هذين القسمين: أن نفسَ أداءِ تلك الصلوات المخصوصة بتراكيبَ مختصةٍ لا يضرُّ ولا يمنعُ عنه ما لم تشتَمِل تلك الكيفيةُ علىٰ أمرٍ يمنَع عنه الشرعُ ويزجر عنه، فإن وجدت كيفية تخالف الشريعة، فلارخصة في أدائها لأحدٍ مِن أرباب المشيخة، زعماً منهم أن هذا ثابتٌ في الطريقة، وإن خالف الشريعة لما ذكرنا سابقاً أن الطريقة ليست مباينة للشريعة، ومَن توهَّم ذلك فهو إما جاهل،وإما مجنون، وإما غافل، وإما مفتون، لكن يشترط في الأخذ بها: أن لا يهتم بها أزيد من اهتمام العبادات المروية، لا سيما الواجبات والفرائض الشرعية، وأن لا يظنها منسوبة إلى صاحب الشريعة، ولا يتوهم ثبوت تلك الأحاديث المروية، ولا يعتقد سُنيتها واستحبابها كاستحباب العبادات الشرعية، ولا يلتزمها التزاماً زجر عن الشرع، فإن كلَ مباحٍ يؤدّي إلى التزام ما لم يلزم يكون مكروهاً في الشرع، ولا يعتقد ترتب الثواب المخصوص عليه كترتب الثواب المخصوص على ما نص عليه

الرسول ﷺ، ویشترط مع ذلک فی کلیهما: ألّا ینجر التزامها وأداء ها إلیٰ فساد عقائد الجهلة، ولایفضی إلیٰ المفسدة بأن یظن ما لیس بسنة سنة، وما هو سنة بدعة، ومِن ثمّ منَع صاحبُ "البحر الرائق" وغیره عن أداء أربع الظهر بعد الجمعة، وإن اختاره جمع من الفقهاء للعلة الاحتیاطیة.

ثم إن القسم الأول یجب کون الاهتمام به أقل من الاهتمام بالقسم الثانی؛ لئلا یورث ذلک إلیٰ ظن الأحادیث الموضوعة غیر موضوعة، بل لو قُبِل ترکُها لم یُبعَد عند العالم الربانی. واللّٰه أعلم، وعلمه أحکم. ولعمری! وجودُ مَن یشتغل بها مع الشروط التی ذکرناها فی زماننا هذا نادرٌ، وحکم أداء ها بدون هذه الشرائط ممّا أسلفنا ذکره ظاهرٌ، ولعلمی مَن التزم بأنواع العبادات الثابتة بطرقها الواردة. کفیٰ ذلک له فی الدنیا والآخرة من غیر حاجة إلیٰ التزام هذه الصلوات المخترعة والعمل بالأحادیث المختلفة– فافهم واستقم–".

(مجموعة رسائل اللکنوی،"الآثار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة"، فیذکر صلوات وأدعیة مخصوصة،القول الفیصل فی هٰذا المقام :۵/۱۰۳، ۱۰۴،إدارة القرآن کراتشی)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

صفر کے آخری چار شنبہ کا حکم

''سوال: صفر کے آخری چہار شنبہ کو اکثر عوام خوشی و سرور وغیرہ میں اطعامُ الطعام [کھانا کھلانا] کرتے ہیں، شرعاً اس باب میں کیا ثابت ہے؟

جواب: شرعاً اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں، سب جہلاء کی باتیں ہیں۔

(فتاوی رشیدیہ، کتاب العلم، ص:۱۷۱، عالمی مجلس تحفظِ اسلام، کراچی)''

کفایت المفتی میں ہے:

صفر کے آخری بدھ کی رسومات اور فاتحہ کا حکم

''سوال: آخری چہار شنبہ جو صفر کے مہینے میں ہوتا ہے، اس کا کرنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

www.banuri.edu.pk

الجواب: آخری چہار شنبہ کے متعلق جو باتیں مشہور ہیں اور جو رسمیں ادا کی جاتی ہیں، یہ سب بے اصل ہیں۔ (کفایت المفتی، کتاب العقائد: ۲/۳۰۲، ادارہ الفاروق، جامعہ فاروقیہ کراچی)''

فتاوی محمودیہ میں ہے:

صفر کے آخری چہار شنبہ کو مٹھائی تقسیم کرنا

''سوال: یہاں مراد آباد میں ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کو کارخانہ داران ظروف کی طرف سے کاریگروں کو شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، بلامبالغہ یہ ہزار ہا روپیہ کا خرچ ہے، کیونکہ صدہا کاریگر ہیں اور ہر ایک کو اندازاً کم وبیش پاؤ بھر مٹھائی ملتی ہے، ان کے علاوہ دیگر کثیر متعلقین کو کھلانی پڑتی ہے، مشہور یہ روایت کر رکھی ہے کہ اس دن حضرت رسول اللہ ﷺ نے غسلِ صحت کیا تھا، مگر از روئے تحقیق بات برعکس ثابت ہوئی کہ اس دن حضرت رسولِ مقبول ﷺ کے مرضِ وفات میں غیر معمولی شدت تھی، جس سے خوش ہو کر دشمنانِ اسلام یعنی یہودیوں نے خوشی منائی تھی۔ احقر نے اس کا ذکر ایک کارخانہ دار سے کیا تو معلوم ہوا کہ جاہل کاریگروں کی ہوا پرستی اور لذت پروری اتنی شدید ہے کہ کتنا ہی ان کو سمجھایا جائے وہ ہرگز نہیں مانتے اور چوں کہ کارخانوں کی کامیابی کا دارومدار کاریگروں ہی پر ہے، تو اگر کوئی کارخانہ دار ہمت کر کے شیرینی تقسیم نہ کرے تو جاہل کاریگر اس کے کارخانہ کو سخت نقصان پہنچائیں گے، کام کرنا چھوڑ دیں گے۔

الف: حقیقت کی رو سے مذکورہ تقسیم شیرینی کا شمار افعال کفریہ، اسلام دشمنی سے ہونا تو عقلاً ظاہر ہے، تو بلا عذر شرعی اس کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ لگتا ہے یا نہیں؟ اگر چہ وہ مذکورہ حقیقت سے ناواقف ہی کیوں نہ ہو؟

ب: جاہل کاریگروں کی ایذاء رسانی سے حفاظت کے لئے کارخانہ داروں کو فعلِ مذکور میں معذور مانا جا سکتا ہے؟

ج: ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ سے متعلق جو صحیح روایات اوپر مذکور ہوئیں، وہ کس کتاب میں ہیں؟

د: حضرت رسولِ مقبول ﷺ کے مرضِ وفات میں شدت کی خبر پا کر یہودیوں نے کس طرح خوشی منائی تھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً: ماہِ صفر کے آخری چہارشنبہ کوخوشی کی تقریب منانا، مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً بے دلیل ہے، اس تاریخ میں غسلِ صحت ثابت نہیں، البتہ شدتِ مرض کی روایت ''مدارجُ النبوۃ'' (۲، ۷۰۷-۷۰۴ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) میں ہے:

''یہود کو آنحضرت ﷺ کے شدتِ مرض سے خوشی ہونا بالکل ظاہر اوران کی عداوت وشقاوت کا تقاضا ہے''۔

(الف) مسلمانوں کا اس دن مٹھائی تقسیم کرنا نہ شدتِ مرض کی خوشی میں [ہوتا] ہے، نہ یہود کی موافقت کی خاطر [ہوتا] ہے، نہ ان کواس روایت کہ خبر ہے، نہ یہ فی نفسہ کفر وشرک ہے، اس لئے ان حالات میں کفر وشرک کا حکم نہ ہوگا۔ ہاں! یہ کہا جائے گا کہ یہ طریقہ غلط ہے، اس سے بچنا لازم ہے، حضور اکرم ﷺ کا اس روز غسلِ صحت [کرنا] ثابت نہیں ہے، [اور آپ ﷺ کی طرف] کوئی غلط بات منسوب کرنا سخت معصیت ہے، [نیز!] بغیر نیتِ موافقت بھی یہود کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

(ب) نہایت نرمی وشفقت سے کارخانہ دار اپنے کاریگروں کو بہت پہلے سے تبلیغ و فہمائش کرتا رہے اور اصل حقیقت اس کے ذہن میں اتار دے، ان کا مٹھائی کا مطالبہ کسی دوسری تاریخ میں حُسنِ اُسلوب سے پورا کردے، مثلاً: رمضان، عید [الفطر]، بقرعید وغیرہ کے موقع پر دے دیا کرے، جس سے ان کے ذہن میں یہ نہ آئے کہ یہ بخل کی وجہ سے انکار کرتا ہے، بہرحال کارخانہ دار بڑی حد تک معذور ہے۔

(ج) مدارج النبوۃ میں ہے۔ (۲، ۷۰۷-۷۰۴ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)۔

(د) یہود نے کس طرح خوشی منائی؟ اس کی تفصیل نہیں معلوم۔

(فتاویٰ محمودیہ، باب البدعات والرسوم: ۳/۲۸۰، ادارہ الفاروق، جامعہ فاروقیہ کراچی)''

احسن الفتاوی میں ہے:

صفر کے آخری بدھ میں عمدہ کھانا پکانا

سوال: ماہِ صفر کے آخری بدھ کو بہترین کھانا پکانا درست ہے یانہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ماہِ صفر کے آخری بدھ کو نبی کریم ﷺ کومرض سے شفاء ہوئی تھی، اس خوشی میں کھانا پکانا چاہئے، یہ درست ہے یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: یہ غلط اور من گھڑت عقیدہ ہے، اس لئے ناجائز اور گناہ ہے۔ فقط واللہ

تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاویٰ، کتاب الایمان والعقائد، باب فی ردالبدعات: ۱/۳۶۰، ایچ ایم سعید)

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

صفر کے آخری بدھ کو چُوری کرنا بدعت اور رسم قبیحہ ہے

سوال: ہمارے علاقے صوبہ سرحد میں ماہِ صفر میں خیرات کرنے کا ایک خاص طریقہ رائج ہے، جس کو پشتو زبان میں (چُوری) کہتے ہیں، عوام الناس کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی صحت یابی کی خوشی میں کی تھی۔ ''ماہنامہ النصیحہ'' میں مولانا گوہر شاہ اور مولانا رشید احمد صدیقی مفتی دار العلوم حقانیہ نے اپنے اپنے مضامین میں اس کی تردید کی ہے کہ یہ (چُوری) و خیرات یہودیوں نے حضور ﷺ کی بیماری کی خوشی میں کی تھی اور مسلمانوں میں یہ رسم [وہاں سے] منتقل ہوگئی ہے، اس کی وضاحت فرمائیے؟

الجواب: چوں کہ چُوری نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور نہ آثار اور کتبِ فقہ سے، لہٰذا اس کو ثواب کی نیت سے کرنا بدعتِ سیئہ ہے اور رواج کی نیت سے کرنا رسمِ قبیحہ اور التزام مالا یلزم ہے، نیز حاکم کی روایت میں مسطور ہے کہ حضور ﷺ کی بیماری کے آخری چہارشنبہ میں زیادتی آئی تھی اور عوام کہتے ہیں کہ بیماری میں خفت آگئی تھی اور عوام حضور ﷺ کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ ''انہوں نے چُوری مانگی'' اور یہ نسبت وضع حدیث اور حرام ہے، **لعدم ثبوت هذا الحديث في كتب الأحاديث ولا بالإسناد الثابت، وهو الموفق.** (فتاویٰ فریدیہ، کتاب السنۃ والبدعۃ، ۱/۲۹۶، مکتبہ دارالعلوم صدیقیہ صوابی)

چُوری کے بارے میں دلائل غلط اور من گھڑت ہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین، مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ: صفر کے آخری بدھ کو جو چُوری کی جاتی ہے، اس کے جواز میں دو دلائل پیش کئے جاتے ہیں، (۱) کہ نبی اکرم ﷺ اس صفر کے مہینے میں بیمار ہوئے تھے، پھر جب اس مہینے میں صحت یاب ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شکریہ میں خیرات و صدقہ کیا ہے۔ (۲) حضور ﷺ جب اس مہینے میں بیمار ہوئے، تو یہود نے اس کی خوشی ظاہر کرنے کے لئے اس مہینے میں خیرات کی اور خوشی منائی، لہٰذا ہم جو یہ خیرات کرتے ہیں یا تو اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خیرات کی تھی یا

یہود کے مقابلے میں کہ جوانہوں نے خوشی منائی تھی، ہم قصداً اُن سے مقابلے میں تشکرِ نعمت کے لئے کرتے ہیں، لہٰذا علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ یہ دلائل صحیح ہیں یا غلط؟

الجواب: ثواب کی نیت سے چُوری کرنا بدعتِ سیئہ ہے، کیونکہ غیر سنت کو سنت قرار دینا غیرِ دین کو دین قرار دینا ہے، جو کہ بدعت ہے، ان مجوزین کے لئے ضروری ہے کہ ان احادیثِ مذکورہ کی سند ذکر کریں اور یا ایسی کتاب کا حوالہ دیں جو کہ سندِ احادیث کو ذکر کرتی ہو یا کم از کم کتب فقہ متداولہ کا حوالہ ذکر کریں، **ولن يأتوا بها ولو كان بعضهم لبعضٍ ظهيراً.**

مزید بریں! یہ کہ حاکم نے روایت کی ہے کہ پیغمبر ﷺ آخری چہار شنبہ کو بیمار ہوئے، یعنی بیماری نے شدت اختیار کی اور تاریخ میں یہ مسطور ہے کہ یہود نے اس دن خوشی منائی اور دعوتیں تیار کیں اور یہ ثابت نہیں کہ اہلِ اسلام نے اس کے مقابل کوئی کارروائی کی۔ وھوالموفق. (فتاویٰ فریدیہ، کتاب السنۃ والبدعۃ، ۱/۲۹۸، مکتبہ دار العلوم صدیقیہ صوابی)

چُوری کی خوراک کھانے کا حکم

سوال: چُوری کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور اس کی خوراک کھانا کیا حکم رکھتا ہے؟ **بینوا وتوجروا**

الجواب: چُوری بقصدِ ثواب مکروہ ہے، **لأن فيه تخصيص الزمان والنوع بلا مخصص، يدل عليه ما في البحر: ۲ / ۱۵۹.** البتہ عوام کے لئے اس کا کھانا مکروہ نہیں ہے، **لما في الهندية: ولا يباح اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام في أيام المصيبة وإذا اتخذ لا بأس بالأكل منه، كذا في خزانة المفتين. ۵ / ۳۸۰.** (فتاویٰ فریدیہ، کتاب السنۃ والبدعۃ، ۱/ ۲۹۹، مکتبہ دار العلوم صدیقیہ صوابی)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشی منانے کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ کچھ لوگ ماہِ صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ ﷺ کو مرض سے شفاء ہوئی تھی اور اس دن بلائیں اوپر چلی جاتی ہیں، اس لئے اس دن

خوشیاں مناتے ہوئے شیرینی تقسیم کرنی چاہئے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ماہِ صفر میں اس عمل کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: ماہِ صفر المظفر کو منحوس سمجھنا خلافِ اسلام عقیدہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے، اس ماہِ مبارک میں نہ تو آسمان سے بلائیں اترتی ہیں اور نہ اس کے آخری بدھ کو اوپر جاتی ہیں اور نہ ہی امام الانبیاء جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کو اس دن مرض سے شفاء یابی ہوئی تھی، بلکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۲۸ رصفر کو آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے تھے، لما قال العلامۃ مفتی عبدالرحیمؒ: ''مسلمانوں کے لئے آخری چہارشنبہ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں۔ ''شمس التواریخ'' وغیرہ میں ہے کہ ۲۶ رصفر ۱۱ رہجری دوشنبہ کو آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ۲۷ رصفر سہ شنبہ کو اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ امیر لشکر مقرر کئے گئے، ۲۸ رصفر چہارشنبہ کو اگرچہ آپ ﷺ بیمار ہو چکے تھے لیکن اپنے ہاتھ سے نشان تیار کر کے اُسامہؓ کو دیا تھا، ابھی (لشکر کے) کوچ کی نوبت نہیں آئی تھی کہ آخری چہارشنبہ اور پنج شنبہ میں آپ ﷺ کی علالت خوفناک ہوگئی اور ایک تہلکہ سا مچ گیا، اسی دن عشاء سے آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ (شمس التواریخ:۲/۱۰۰۸)

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸ رصفر کو چہارشنبہ (بدھ) کے روز آنحضرت ﷺ کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہِ صفر کا آخری چہارشنبہ تھا، یہ دن مسلمانوں کے لئے تو خوشی کا ہے ہی نہیں، البتہ! یہود وغیرہ کے لئے شادمانی کا دن ہوسکتا ہے، اس روز کو تہوار کا دن ٹھہرانا، خوشیاں منانا، مدارس وغیرہ میں تعظیم کرنا، یہ تمام باتیں خلافِ شرع اور ناجائز ہیں''۔ (فتاویٰ حقانیہ، کتاب البدعۃ والرسوم:۲/۸۴، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، وکذا فی فتاویٰ رحیمیہ، مایتعلق بالسنۃ والبدعۃ:۲/۶۸، ۶۹، دارالاشاعت)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اپنی تالیف ''سیرت المصطفیٰ'' میں لکھتے ہیں کہ:

''ماہِ صفر کے اخیر عشرہ میں آپ ﷺ ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام ''ابومویہبہ'' کو جگایا اور فرمایا کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ اہلِ بقیع کے لئے استغفار کروں، وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعۃً مزاج ناساز ہوگیا، سر درد اور بخار کی شکایت پیدا ہوگئی۔ یہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کا دن تھا اور بدھ کا روز تھا''۔ (سیرت مصطفیٰ ﷺ، علالت کی ابتداء:۳/۱۵۶، کتب خانہ مظہری، کراچی)

سیرۃ النبی ﷺ میں علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''صفر/۱۱ ہجری میں آدھی رات کو آپ ﷺ جنت البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا، تشریف لے گئے، وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا، یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا اور روز چہارشنبہ [یعنی: بدھ کا دن] تھا''۔ (سیرۃ النبی: ۲/ ۱۱۵، اسلامی کتب خانہ)

اسی کے حاشیہ میں ''علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ'' لکھتے ہیں:

''اس لئے تیرہ [۱۳] دن مدتِ علالت صحیح ہے، علالت کے پانچ دن آپ ﷺ نے دوسری ازواجؓ کے حجروں میں بسر فرمائے، اس حساب سے علالت کا آغاز چہار شنبہ (بدھ) سے ہوتا ہے''۔ (حاشیہ سیرۃ النبی: ۲/ ۱۱۴، اسلامی کتب خانہ)

سیرۃ خاتم الانبیاء ﷺ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''۲۸/صفر ۱۱/ہجری چہارشنبہ [بدھ] کی رات آپ ﷺ نے قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جا کر اہلِ قبور کے لئے دعاءِ مغفرت کی اور فرمایا: اے اہلِ مقابر! تمہیں اپنا حال اور قبروں کا قیام مبارک ہو، کیونکہ اب دنیا میں تاریک فتنے ٹوٹ پڑے ہیں، وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور پھر بخار ہو گیا اور بخار صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہوگئی''۔ (سیرت خاتم الانبیاء، ص: ۱۲۶، مکتبۃ المیزان، لاہور)۔

آخری بات:

اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق ''مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ'' والی روایت ثابت نہیں ہے، بلکہ موضوع اور من گھڑت ہے، اس کو بیان کرنا اور اس کے مطابق اپنا ذہن وعقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ نیز! ماہِ صفر کے آخری بدھ کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس دن نبی اکرم ﷺ کو بیماری سے شفاء ملنے والی بات بھی جھوٹی اور دشمنانِ اسلام یہودیوں کی پھیلائی ہوئی ہے، اس دن تو معتبر روایات کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی بیماری کی ابتداء ہوئی تھی نہ کہ شفاء۔

لہٰذا ہم سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم خود بھی اس طرح کے توہمات و منکرات سے بچیں اور حتی الوسع دوسروں کو بھی اس طرح کی خرافات سے بچانے کی کوشش کریں۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُکَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَکَ مِنْهُ نَبِيُّکَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَ عِبَادُکَ الصَّالِحُوْنَ، وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ مِنْهُ نَبِيُّکَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَ عِبَادُکَ الصَّالِحُوْنَ.

☆☆☆

www.banuri.edu.pk

مساجد و مدارس کو سوئی گیس بم سے نشانہ بنانے کی افسوسناک کوشش

مولانا محمد حنیف جالندھری
جنرل سیکرٹری وفاق المدارس العربیہ، پاکستان

اللہ رب العزت نے وطن عزیز پاکستان کو ۱۹۵۰ء کی دہائی میں سوئی گیس کی نعمت سے نوازا تھا۔ یہ وہ نعمت ہے جو پاکستان کو کسی غیر ملک سے خریدنی نہیں پڑتی، بلکہ یہ قدرت کا انمول عطیہ مفت میں عنایت کیا گیا ہے۔ پاکستان میں سوئی گیس کا استعمال ۱۹۵۰ء کی دہائی کے آخر میں شروع ہوگیا تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک یعنی گذشتہ ۵۰ سال سے زائد عرصہ کے دوران مساجد، مدارس اور دیگر دینی اداروں کو سوئی گیس کی فراہمی عام گھریلو صارفین کی طرح کی جارہی تھی۔ ہم عرصۂ دراز سے حکومتِ وقت سے یہ مطالبہ کرتے آرہے تھے کہ چونکہ مساجد اور مدارس فلاحی ادارے ہیں، جو حکومت کی امداد کے بغیر گرانقدر خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور انہوں نے لوگوں کی دینی ضروریات پوری کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے، اس لئے ان دینی اداروں کو سوئی گیس کی فراہمی عام گھریلو صارفین کے مقابلہ میں رعایتی نرخوں پر ہونی چاہئے۔

ہمارے اس دیرینہ جائز مطالبہ کو تسلیم کرنے کی بجائے حکومتِ پاکستان کے ذیلی ادارے ''اوگرا'' نے ۲۲ ستمبر ۲۰۱۲ء سے مساجد، مدارس اور دیگر دینی اداروں کو عام گھریلو صارفین کے زمرے سے نکال کر اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ظالمانہ طور پر ان اداروں پر ناقابلِ برداشت معاشی بوجھ ڈال دیا ہے، چنانچہ مساجد و دینی مدارس میں گیس کنکشن حاصل کرنے کا خرچہ ۳۰۰۰ ہزار روپے سے بڑھا کر ۳۱۰۰۰ ہزار روپے کردیا ہے، یعنی سروس لائن کی رقم ۱۵۰۰ روپے سے بڑھا کر ۵۰۰۰ ہزار روپے اور سیکورٹی کی رقم ۱۵۰۰ روپے سے بڑھا کر ۲۶۰۰۰ ہزار روپے کردی ہے، یعنی اگر کوئی اپنی کوٹھی یا مکان پر گیس کنکشن لگوائے تو اسے محض ۳۰۰۰ ہزار روپے دینے ہوں گے اور اگر اللہ کے گھر کے لئے گیس کنکشن لیا جائے تو ۳۱۰۰۰ ہزار روپے دینے ہوں گے۔

عام گھریلو صارفین کے لئے سوئی گیس کے تین نرخ ہیں، یعنی ۱۰۰ روپے فی یونٹ، ۲۰۰ روپے فی یونٹ اور ۵۰۰ روپے فی یونٹ، لیکن مساجد ومدارس وغیرہ کے لئے ایک ہی نرخ ہے یعنی ۵۰۰ روپ فی یونٹ، وہ جتنی بھی گیس استعمال کریں گے ان کو ساری مقدار پر ۵۰۰ روپے فی یونٹ کے حساب سے ادائیگی کرنا ہوگی۔ ان دینی اداروں کو سستے نرخوں یعنی ۱۰۰ روپے فی یونٹ اور ۲۰۰ روپے یونٹ سے محروم کردیا گیا ہے۔

عام گھریلو صارفین کے لئے کم سے کم بل کی رقم تقریباً ۲۰۰ روپے ہے اور گزشتہ ماہ تک مساجد ومدارس وغیرہ کے لئے بھی کم سے کم بل کی رقم ۲۰۰ روپے ہی تھی، مگر حکومت کے ذیلی ادارے ''اوگرا'' نے اسلام دشمنی میں ظالمانہ طور پر ۲۲ رستمبر ۲۰۱۲ء سے دینی اداروں کے لئے کم سے کم بل کی رقم ۲۰۰ روپے سے بڑھا کر ۳۶۰۰ روپے کردی ہے۔ مساجد میں وضو کے گرم پانی کے لئے تین ماہ یعنی دسمبر، جنوری اور فروری میں سوئی گیس استعمال کی جاتی ہے، باقی ۹ ماہ یعنی مارچ سے نومبر تک مساجد میں گیس کا استعمال نہیں ہوتا، چنانچہ ان ۹ ماہ کے دوران گیس استعمال نہ کرنے کے باوجود ۳۶۰۰ روپے ماہوار کے حساب سے ۹ ماہ کا کم از کم بل ۳۲۴۰۰ روپے ادا کرنا ہوگا اور اس کے علاوہ گیس کے استعمال کے حساب سے بھی فی یونٹ پانچ سو روپے مزید ادائیگی بھی کرنی پڑے گی۔

مساجد ومدارس کے ساتھ یہ ظالمانہ اور غیر مساویانہ طرزِ عمل اسلام دشمنی اور ظلم کی انتہاء نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والی اس مملکت میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ لوگوں کی دینی، علمی، روحانی اور اسلامی ضروریات پوری کرنے کے لئے مساجد ومدارس کے جملہ اخراجات اور انتظامات ریاست اور حکومت کی ذمہ داری ہوتی۔ اگر ریاست تمام تر بوجھ اور ذمہ داری اٹھانے کی سکت نہیں رکھتی تو کم از کم بجلی اور گیس کی سہولت تو مفت مہیا کی جاتی، لیکن یہاں تو الٹی ہی گنگا بہتی ہے۔

اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والی اس ریاست میں دین پر عمل کرنے کو روز بروز مشکل سے مشکل بنایا جارہا ہے، جبکہ گناہ کرنا دن بدن آسان سے آسان تر ہوتا چلا جارہا ہے۔ وہ چیزیں جن کی وجہ سے نسلِ نو کے بہکنے اور بے راہ روی کا شکار ہونے کے امکانات زیادہ ہیں، اُنہیں سستا کیا جارہا ہے، ان تک رسائی آسان ہوتی چلی جارہی ہے اور وہ ہر آدمی کی پہنچ میں ہیں، لیکن وہ دینی مدارس جو اس قوم کے بچوں اور بچیوں کو علومِ نبوت سے روشناس کروانے والے ہیں اور وہ مساجد جو ایک مسلمان کی ایمانی اور روحانی زندگی کے لئے از حد ضروری ہیں، ان کا انتظام مشکل

سے مشکل تر بنایا جارہا ہے۔

حکومت کے اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ فیصلے کے بارے میں عوام الناس میں مختلف قسم کی آراء پائی جاتی ہیں ۔بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ اس عالمی استعماری ایجنڈے کا حصہ ہے جس کے تحت دینِ اسلام سے نسبت رکھنے والی ہر علامت، ہر ادارہ اور ہر مرکز دشمن کا ہدف ہے اور وہ ہر اس عمل کو روکنا چاہتے ہیں جو اسلام کے غلبے اور مسلمانوں کی کامیابی کی ضمانت دیتا ہو اور جس کے ذریعے لوگ دین سے مزید قریب ہوسکیں، یہی وجہ ہے کہ کبھی مساجد میں بم دھماکے کرواکر لوگوں کو خوف زدہ کردیا جاتا ہے اور انہیں مسجدوں میں جانے سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے، کبھی دینی مدارس کو ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے، مدارس کی کردارکشی کی مہم چلائی جاتی ہے، مدارس کے اساتذہ وطلباء کو شہید کیا جاتا ہے، مدارس پر بلا جواز چھاپے مارے جاتے ہیں، مدارس کے ساتھ تعاون کرنے والوں کو ہراساں کیا جاتا ہے اور اب ایک وار گیس کے بلوں کی شکل میں کیا گیا۔

اس سے قبل بجلی کے بلوں میں بھی غیر اعلانیہ طور پر اس قسم کی وارداتوں کو محسوس کیا گیا اور اب گیس کے بلوں کی شکل میں نقب زنی کی کوشش کی جارہی ہے، جسے ان شاء اللہ! کسی صورت میں کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا۔ جبکہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ واردات کسی ایسے بے دین، سیکولر اور قادیانی مزاج بابو کے شاطرانہ دماغ کا شاخسانہ ہے، جس نے مساجد و مدارس کو ہدف بنا کر مسلمانوں کے ایمان وعقیدے اور مذہبی وابستگی پر ضرب لگانے کی کوشش کی ہے، لیکن اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اس ملک کے کروڑوں اہلِ ایمان اس کوشش کو ناکام بنا کر دم لیں گے۔

اس ظالمانہ فیصلے کی اطلاعات ملنے کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال پر غور کرنے کے لئے ابتدائی مرحلے میں ہم نے ''اتحادِ تنظیماتِ مدارس پاکستان'' کے پلیٹ فارم پر تمام مکاتب فکر کی سرکردہ شخصیات کو جمع کرکے باہمی مشاورت کی اور حکمت عملی طے کرلی ہے کہ اس ظالمانہ جسارت کی ہر سطح پر، ہر طریقے سے، ہر ممکنہ مزاحمت کی جائے گی۔ ابتدائی مرحلے میں ہم صدرِ پاکستان، وزیر اعظم پاکستان، وفاقی وزیر پٹرولیم پاکستان اور چیئرمین ''اوگرا'' سے خطوط، مضامین، اخبارات اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مطالبہ کرتے ہیں کہ فی الفور مساجد و مدارس کے سوئی گیس بلوں میں اضافہ کو واپس لیا جائے اور اس ظالمانہ و جانبدارانہ فیصلہ کے ذمہ داروں کو معطل کرکے عبرتناک سزا دی جائے۔ اسی طرح چیف جسٹس آف پاکستان سے بھی گزارش ہے کہ وہ اس اقدام پر سوموٹو نوٹس لیں، تاکہ اربابِ مساجد و مدارس اور پوری قوم میں پایا جانے والا اضطراب ختم ہوسکے۔

مفتی محمد صدیق محمودکوٹی رحمہ اللہ کا سانحۂ ارتحال

محمد صدیق محمود کوٹی
متعلم مدرسہ ابن عباسؓ، گلستان جوہر، کراچی

۴؍ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۴؍ جولائی ۲۰۱۲ء بروز منگل ہمارے محبوب استاد، مجسم تواضع، جامعہ خیر المدارس ملتان کے قدیم فاضل، مہتمم جامعہ امداد العلوم محمود کوٹ، فقیہ ملت، حضرت مولانا مفتی محمد صدیق صاحب عمر عزیز کی ۸۶ منزلیں طے کر کے کار حادثہ میں اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون.

اٹھائیس شعبان جمعرات کی رات آپ اپنے شاگرد مولانا امام دین تونسویؒ کا جنازہ پڑھا کر واپس آرہے تھے کہ صبح تین بجے کے قریب راستہ میں کار اُلٹ گئی، حادثہ میں باقی سوار تو محفوظ نکل آئے، مگر حضرت مفتی صاحبؒ کی گردن کے مہروں پر کاری ضرب آگئی، جس کی تاب نہ لاتے ہوئے حادثہ کے چھٹے دن بروز منگل صبح ساڑھے آٹھ بجے ملتان زیر علاج ہسپتال میں آپ کی روح پرواز کرگئی۔

بعض فہم وعقل، اخلاص وللّٰہیت اور عزم واستقلال کی پیکر خدا شناس ہستیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا کاز اور مقصد حیات اس قدر عالی کردار کا حامل ہوتا ہے کہ ان کی داستانِ حیات آب زر سے کتابت کے لائق ہوتی ہے، جو اس دارِ فانی کو خیر باد کہہ کر اُس میں ایسا رستا ہوا زخم چھوڑ جاتی ہیں کہ جس کا مندمل ہونا عرصہ دراز تک بہت مشکل اور بے امکان ہوتا ہے، زمانہ ہزاروں کروٹیں لے، تب جا کر کہیں وہ خلا پر ہونے کو آتا ہے۔

حضرت مفتی محمد صدیق صاحبؒ جامع کمالات، عجز و نیاز کے پیکر، علمی وعملی طور پر پختہ کار اور سادگی ومستقل مزاجی میں اکابر کی یادگار تھے۔ آپ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے خاص شاگرد، شہید اسلام، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے رفیق درس اور فقہ وتفسیر کے بہت بڑے

عالم تھے۔ افہام وتفہیم کا خاص ملکہ اور درس و تدریس کے شہسوار تھے۔ علوم وفنون پر مکمل عبور اور کئی درسی کتابیں آپ کو حفظ تھیں۔

آپ اپنے مخلصانہ دینی جذبے، بے پناہ قوتِ عمل، اشاعت دین کی خاطر انتھک محنت اور قومی وملی اصلاحات میں دوراندیشی اور ہمت واستقلال کے لحاظ سے ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے، جو کسی بھی قوم کے لئے باعث فخر ہوسکتی ہیں۔ آپ کی طبیعت میں انتہائی سادگی اور تکلف وبناوٹ کا نام ونشان تک نہ تھا، مگر استغناء وخودداری اور کفایت شعاری کا جوہر اتم اپنے اندر ودیعت لئے ہوئے تھے۔ ہمیشہ حرص وہوس اور خودغرضی وشہرت سے کوسوں دور محض بندگانِ خدا کی بھلائی، دین متین کی اشاعت اور حق گوئی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ خود بھی عملی نمونہ بنے رہے اور اشاعت دین کے کئی مراکز کی آبیاری بھی کی۔

درس و تدریس اور علمی واصلاحی خدمات میں آپ کا نمایاں وصف علماء وصلحا اور حضرات اکابر کے ہاں آپ کا بے مثال اعتماد تھا۔ دینی وعلمی حلقوں میں آپ کو قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ تمام عمر اخلاص سے عوام وخواص میں قرآن وسنت کی تعلیم کو عام کیا اور اساتذہ کا نام روشن کیا۔

آخرکار جب قدرت کو آپ کا اس دارفناء میں رہنا نامنظور ہوا تو اٹھاون سالہ تدریسی خدمات کے بعد یہ پاک روح اپنے اصلی گھر کی طرف روانہ ہوگئی، سن عیسوی کے اعتبار سے آپ کی عمر تقریباً ۸۴ سال اور سن ہجری کے اعتبار سے ۸۶ سال کچھ ماہ بنتی ہے۔

برگزیدہ شخصیات کا جانبِ حق رحلت فرمانا ان کے حق میں تو خوش آئند ہوتا ہے کہ وہ بے سکونی کے گھر سے اپنے پروردگار، مالک حقیقی کے جوار میں منتقل ہو جاتے ہیں اور مقصد حیات پا لیتے ہیں، مگر پسماندگان اور متوسلین کے لئے یہ داغِ مفارقت فیوض وبرکات سے محرومی اور قلبی اضمحلال کا سبب بن جاتا ہے۔

پیدائش:

آپ ضلع مظفرگڑھ کی تحصیل کوٹ اَدو کے علاقہ سنانواں کے مضافات بستی شاہ والا میں جناب میاں شیر محمد گوراہ کے گھر پیدا ہوئے، جو ایک محنت کش کاشت کار تھے۔ آپ کا سن پیدائش تقریباً ۱۳۴۷ھ بمطابق ۱۹۲۸ء ہے۔

ابتدائی تعلیم

بچپن ہی میں آپ نے اپنے علاقہ کے مشہور عالم حافظ محمد بخشؒ کے پاس بستی دایہ چوکھا میں

قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا اور حفظ قرآن مکمل کر ہی چکے تھے کہ والد بزرگوار کا سایۂ عاطفت آپ کے سر سے اٹھ گیا، جس کے بعد آپ حالات سے متاثر ہوکر مزید تعلیم کی بجائے اپنے بڑے بھائی جناب ملک علی محمد صاحب کا گھریلو کام کاج میں دست و بازو بن گئے ۔

فنون کی تعلیم کا آغاز

والد ماجد کی وفات سے کچھ عرصہ بعد جب آپ کی عمر تقریباً بیس سال مکمل ہوچکی تھی، آپ کے ننھیالی خاندان کے معروف بزرگ حافظ خان محمد تھوریؒ نے علم وفضل کے حصول کی طرف آپ کو توجہ دلائی اور خاص شفقت سے فارسی کی چند ابتدائی کتب کی تعلیم کا انتظام بھی کیا، جس کے بعد علوم و فنون کے حصول کا شوق آپ کے دل میں گھر کرگیا اور ۱۳۶۷ھ بمطابق ۱۹۴۸ء میں آپ نے قریبی بستی ٹھٹھی حمزہ کے مدرسہ تعلیم القرآن میں مستقل طور پر درس نظامی کی تعلیم کا آغاز کیا۔ وہاں پر حضرت مولانا محمد عمر قریشیؒ ، فاضل دیوبند، شاگرد حضرت مدنیؒ سے ایک سال میں متوسطات تک کتب نحو کی تعلیم حاصل کی ۔

حضرت مولانا محمد عمر قریشیؒ جب وہاں سے چھوڑ کر مظفرگڑھ چلے گئے اور ان کی جگہ حضرت مولانا عبدالعزیز شہر سلطانیؒ مدرس ہوئے ، جو بقول حضرت مفتی صاحبؒ : عملاً تو حنفی المسلک ، مگر عقیدۃً اہل حدیث تھے، تو آپ نے اگلے سال وہیں پر مدرسہ تعلیم القرآن میں مولانا عبدالعزیز شہر سلطانیؒ سے صرف کی بنیادی کتابیں پڑھیں ۔

صرف ونحو کی دو سالہ ابتدائی تعلیم کے بعد جب مولانا عبدالعزیز صاحبؒ بھی وہاں سے چھوڑ کر شہر سلطان چلے گئے، تو آپؒ نے بھی علوم آلیہ کی مزید تعلیم کے لئے ان کے ساتھ شہر سلطان کا سفر کیا اور وہاں پر ایک سال میں ان سے آپ نے شرح ملا جامی ، کنزالدقائق ، شرح الوقایہ ، مشکوٰۃ المصابیح ، بلوغ المرام ، مختصر المعانی ، اصول الشاشی ، نورالانوار اور منتخب الحسامی سمیت متعدد کتبِ اصول کا درس لیا۔

درس نظامی کے چوتھے سال آپ شہر سلطان کو خیرباد کہہ کر فنون کی تکمیل کے لئے اپنے شفیق استاذ حضرت مولانا محمد عمر قریشی صاحبؒ کے پاس مظفرگڑھ آ گئے اور مکمل ایک سال جامعہ احیاء العلوم میں رہ کر آپ نے تفسیر جلالین ، ہدایہ اول وثانی ، جامع ترمذی ، سلم العلوم ، دیوان متنبّی ، دیوان حماسہ اور علوم آلیہ کی دیگر شاہکار کتب کی تعلیم حاصل کی ۔

دورہ حدیث

علوم وفنون کی استعدادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس نظامی کے پانچویں سال آپ نے حدیث شریف کی مستقل تعلیم کے لئے جامعہ خیر المدارس ملتان کا سفر کیا اور وہاں پر ایک سال میں دار العلوم دیو بند کے مشاہیر فضلاء، شیوخ حدیث کے سامنے اصولِ ستہ مشہورہ اور دیگر کتب حدیث کا سماع کیا اور شعبان ۱۳۷۲ھ بمطابق مئی ۱۹۵۳ء میں دورہ حدیث سے سند فراغ حاصل کی۔

جامعہ ''خیر المدارس ملتان'' میں دورہ حدیث والے سال آپ نے:

بخاری شریف: حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، فاضل دیو بند، شاگرد حضرت کشمیریؒ سے

ترمذی شریف: حضرت مولانا محمد عبداللہ ڈیرویؒ، فاضل دیو بند، شاگرد حضرت مدنیؒ سے

مسلم شریف: حضرت مولانا محمد ابراہیم تونسویؒ، فاضل دیو بند، شاگرد حضرت مدنیؒ سے

نسائی شریف: حضرت مولانا جمال الدین مردانیؒ، فاضل دیو بند، شاگرد حضرت مدنیؒ سے

ابوداؤد شریف حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ، فاضل دیو بند، شاگرد حضرت کشمیریؒ سے

ابن ماجہ، موطئین اور طحاوی شریف: حضرت مولانا عبدالشکور کامل پوریؒ، فاضل مظاہر العلوم سہارنپور، شاگرد حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ سے پڑھیں۔

فنون کی تکمیل

دورہ حدیث سے فراغت کے بعد آپ نے اس دور کی ترتیب و نظامِ تعلیم کے مطابق تکمیل کے عنوان سے فنون کی مزید کتابیں پڑھنے کے لئے دو سال مسلسل جامعہ خیر المدارس کا قیام کیا اور اس عرصہ میں آپ نے عقود رسم المفتی، شامی، ہدایہ ثالث، ہدایہ رابع، مسلم الثبوت، بیضاوی، توضیح تلویح، ملاحسن، حمداللہ، میر زاہد، قاضی مبارک اور شمس بازغہ وغیرہ کتب اصول وفنون کی تعلیم حاصل کی اور شعبان ۱۳۷۴ھ بمطابق اپریل ۱۹۵۵ء میں آپ کا یہ تعلیمی سفر اختتام کو پہنچا۔

علم قراءت

جامعہ خیر المدارس میں آپ نے درسِ نظامی کی دیگر کتب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ خارجی اوقات میں علم قراءت کی کتابیں بھی پڑھنا شروع کیں اور خیر المدارس کے تین سالہ تعلیمی دورانیے میں حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتیؒ سے آپ نے مقدمہ جزریہ، فوائد مکیہ اور جمال القرآن کا درس لیا۔

تدریس

تعلیم سے فراغت کے متصل بعد اگلا سال شروع ہوتے ہی جامع مسجد محمود کوٹ شہر سے آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا اور حضرت مولانا مفتی عبد القادر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الجلیل، حضرت مولانا اللہ بخش فانی، شیخ الحدیث حضرت مولانا فیض الباری، حضرت مولانا اللہ بخش ملکانی اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی بن حاجی غلام حاضر صاحب جیسے خوش نصیب طالبانِ علم وفضل نے جامع مسجد محمود کوٹ میں آپ سے ایک سال میں فارسی کی ابتدائی کتابیں اور سورۂ کہف، سورۂ مریم اور سورۂ طٰہٰ کا ترجمہ پڑھا اور بقول مولانا عبدالرحمٰن جامی بن حاجی غلام حاضر سب سے پہلے درس میں عبارت خوانی کا شرف ان ہی کو حاصل ہوا۔

تدریس کے دوسرے سال آپ محمود کوٹ چھوڑ کر جامعہ احیاء العلوم، مظفر گڑھ چلے گئے اور وہاں پر چار سال تدریس کرنے کے بعد واپسی دوبارہ محمود کوٹ آگئے۔ اس وقت مدرسہ جامعہ امداد العلوم کی بنیاد رکھی جا چکی تھی، جس کو حضرت مولانا غلام یسین گورمانیؒ آف تونسہ شریف نے حکیم عبدالحق صاحبؒ کے زیر اہتمام پیر محمد یعقوب بودلہ کی طرف سے وقف کردہ تقریباً نو/۹ کنال اراضی پر قائم کیا تھا، اس موقع پر سات سال تک مدرسہ امداد العلوم محمود کوٹ شہر میں آپ نے تدریسی خدمات سرانجام دیں اور شوال ۱۳۸۶ھ بمطابق فروری ۱۹۶۷ء میں آپ وہاں سے چھوڑ کر دوبارہ احیاء العلوم، مظفر گڑھ تشریف لے گئے اور وہاں پر چھ سال پڑھانے کے بعد آپ جامعہ مظاہر العلوم کوٹ اَدو تشریف لے آئے۔

جامعہ مظاہر العلوم، کوٹ اَدو میں تین سال تدریس کرنے کے بعد ۲۹/شعبان ۱۳۹۵ھ بمطابق ۷/ستمبر ۱۹۷۵ء کو وہاں سے مستعفی ہوکر آپ تیسری مرتبہ محمود کوٹ تشریف لے آئے اور جامعہ امداد العلوم کو مستقل طور پر اپنا مسکن بنا لیا اور تادمِ آخر یہیں پر تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مجموعی طور پر مختلف اوقات میں آپ نے دس سال احیاء العلوم مظفر گڑھ، تین سال جامعہ مظاہر العلوم کوٹ اَدو اور پینتالیس سال محمود کوٹ کی جامع مسجد اور مدرسہ امداد العلوم میں علوم وفنون کی خدمت کی۔ دورانِ تدریس شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی علی محمد صاحبؒ نے اپنے اہتمام کے زمانہ میں دار العلوم کبیر والا میں تدریس کے لئے آپ کو دعوت بھی دی تھی، جس کو بعض عوارض کی بنا پر قبول کرنے سے حضرت نے معذرت کر لی تھی۔

آپ نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ دینی وفکری حوالے سے ہمیشہ حدودِشرع کا تحفظ کیا، اگر کسی بھی موقع پر کسی متجدد اور کجرو مکتبِ فکر نے اپنے اثراتِ بد پھیلانے کی کوشش کی، تو آپ نے بھر پور انداز میں اس کا مقابلہ کیا۔ پورے علاقے میں مسلک حق کی وضاحت کی اور باطل نظریات کی تردید میں وسعت بھر کردار پیش کیا۔

شعبۂ افتاء اور تصنیف وتالیف

آپ نے درسِ نظامی کی تدریس کے علاوہ شعبۂ افتاء کا مستقل طور پر کام جاری رکھا اور تادمِ آخر حق گوئی کے اس فریضہ کو سرانجام دیتے رہے۔ ہزاروں کی تعداد میں فتاویٰ آپ کی نوکِ قلم سے صادر ہوئے۔ ذاتی طور پر تحریر وتبویب اور انشاء پردازی کا آپ ذوق نہیں رکھتے تھے، اس لئے نصف صدی سے زائد عرصے کے اندر آپ کی نوک قلم سے نکلنے والے فتاوی اور دیگر ضروری تحریریں آج کسی خاص ترتیب سے جمع نظر نہیں آتیں، البتہ دورہ حدیث والے سال کتب حدیث کی شرح میں آپ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی چند کاپیاں دریافت ہوئی ہیں، جن میں بعض پر کتاب کا نام مع مختصر تعارف حضرت ہی کے قلم سے درج ہے:

۱۔مجمع البحرین فی حل مہمات الجامعین من فیوضات الشیخین ،الشیخ مولانا خیرمحمد والشیخ مفتی محمد عبداللہ، حفظہما اللہ تعالی، الفہ: افقر محمد صدیق مظفر گڑھی، جامعہ خیر المدارس ملتان شہر، ۱۳۷۲ھ۔ بڑے سائز میں یہ دفتر تقریباً چارسواسی صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۔علومِ قرآن واصول تفسیر، افادات: حضرت مولانا خیرمحمد جالندھریؒ، بڑے سائز میں یہ کاپی تقریباً تین سوبیس صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔تیسری کاپی مبادئ تفسیر اور علوم حدیث کی مختلف ابحاث پر مشتمل ہے، یہ کاپی چھوٹے سائز میں تقریباً ایک سو ساٹھ صفحات پر ہے، اس کے آخر میں حضرت مفتی صاحبؒ ہی کے قلم سے یہ شعر لکھا ہوا ہے، جس کے مصداق میں اب خود مفتی صاحبؒ بھی شامل ہو چکے ہیں:

یہ چمن یوں ہی رہے گا، ہزاروں بلبلیں
اپنی بولیاں بول کر سب اُڑ جائیں گی

علمی پختگی اور تدریسی کمال

آپ علمی طور پر بہت پختہ استعداد کے مالک تھے اور فنون پر مکمل عبور حاصل تھا، آخر عمر تک

بڑھاپے کے اس زمانے میں بھی اصول وقواعد کا برابر استحضار رہتا تھا۔ درسِ نظامی کی یومیہ کئی کئی کتابیں پڑھانا آپ کا عام معمول تھا۔ ہدایہ ثالث، بیضاوی اور کافیہ جیسی ثقیل الدرس کتابوں کی تدریس آپ کے ہاں ایک سہل المنال قضیہ تھا۔ جوانی کے ایام میں ایک طویل عرصہ تک ابتدائی درجات سے لے کر جلالین ومشکوٰۃ تک مکمل اسباق آپ اکیلے پڑھاتے تھے۔ آپ کی علمی ترقی میں جامعہ احیاء العلوم کے کتب خانے کا بہت بڑا دخل تھا۔ مظفرگڑھ کے زمانۂ تدریس میں آپ نے موقع کو غنیمت جانا اور جوانی کے اس عالم میں کتابوں کے درمیان خوب عرق ریزی کی، جس کے سنہری اثرات ہمیشہ آپ کی تقریر وتدریس میں نمایاں طور پر دکھائی دیتے تھے۔

آپ کی تعلیمی قابلیت اور علمی رسوخ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ۱۹۵۴ھ میں جامعہ مخزن العلوم خانپور میں دورۂ تفسیر کے دوران حضرت مفتی صاحبؒ، بندہ عاجز اور مولانا مسلم صاحبؒ ہم تین آدمی ایک جماعت کی صورت میں اکٹھے بیٹھا کرتے تھے، جس میں بسا اوقات دوسرے طلباء بھی شریک ہو جایا کرتے۔ تکرار ومراجعت کی ذمہ داری حضرتؒ ہی کے سپرد تھی۔ ایک مرتبہ دورانِ تکرار دسویں پارے میں سورۂ انفال کی آیت ''وَلَوْعَـلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْراً لَّاَسْمَعَهُمْ، وَلَوْأَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ '' پر حضرت نے ایک اشکال پیش کیا کہ آیت مبارکہ میں مذکورہ دونوں جملے قضیہ شرطیہ کے قبیل سے ہیں، جن میں سے پہلے قضیے کے اندر تالی اور دوسرے میں مقدم حد اوسط ہے، اگر حد اوسط کو گرا دیا جائے، تو نتیجہ نکلتا ہے: ''وَلَوْعَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْراً ،لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ '' جو انتہائی غلط ہے۔

اس اشکال کا جواب جب ہم طلباء میں سے کوئی دوسرا شخص نہ دے سکا، تو خود حضرتؒ نے اس کا حل پیش کیا اور فرمایا کہ درحقیقت ''لَّاَسْمَعَهُمْ، وَلَوْأَسْمَعَهُمْ '' کو حد اوسط قرار دینا ہی ایک غلط فہمی پر مشتمل ہے کہ اس کی وجہ سے آیت مبارکہ میں اشکال پیدا ہو، اس لئے کہ حد اوسط میں دونوں اجزاء کے درمیان وحدت کلیہ شرط ہوتی ہے اور یہاں پر وحدت نہیں پائی جارہی، بلکہ اول قضیہ میں سماع سے مراد سماع قبول ہے اور ثانی میں اس سے مراد مطلق سماع ہے، جو آپس میں ایک دوسرے سے مغائر ہیں، لہٰذا سرسری نظر میں ان کو حد اوسط گردانتے ہوئے فنی مشکل میں پھنسنا بالکل بے جا ہوگا۔

زمانۂ طالبعلمی سے ہی آپ کے اندر علمی ذوق کا جوہر ودیعت تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے شوال ۱۴۰۹ھ میں ابوداؤد شریف کے ایک درس کے اندر آپ کی علمی لیاقت کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے: ''میرے دو ہی دوست تھے، مولانا صدیق صاحب (محمود کوٹی) اور دوسرے

کا نام بھی صدیق تھا، مولانا صدیق صاحب انتہائی لائق فائق انسان تھے۔ (جامعہ خیر المدارس میں) دورہ حدیث والے سال اکثر کتابوں کی عبارت یہی پڑھا کرتے تھے‘‘۔

اساتذہ وشیوخ

آپ کے اساتذہ میں سے اکثر کا ذکر تعلیمی دورانیے کی تفصیلات میں تقریباً آچکا ہے، جن کے علاوہ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ تفسیر قرآن میں آپ کے خاص استاذ ہیں، آپ نے جامعہ مخزن العلوم، خانپور میں ان سے دو مرتبہ دورۂ تفسیر پڑھا، ایک مرتبہ دوران تعلیم ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹۵۴ء میں تکمیل کے پہلے سال اور دوسری مرتبہ دورانِ تدریس آپ نے ان سے تفسیر پڑھی۔

آپ کے قریبی علاقہ کھٹھی حمزہ میں آباد سادات خاندان کے دو مشہور فرد حضرت مولانا پیر محمد شاہ صاحب اور حضرت مولانا سید نظام الدین شاہ صاحب بخاری آپ کے اساتذہ میں سے بحمد اللہ حال کے اندر بقید حیات بزرگ ہیں۔ حضرت مولانا پیر محمد شاہ صاحب، شاگرد حضرت مولانا محمد عمر قریشیؒ آپ کے مشکوٰۃ المصابیح کے استاذ ہیں۔ پیر محمد شاہ صاحب کا خاندان تحصیل کوٹ ادو کا معروف علمی خاندان ہے، جس میں پشت در پشت علماء وفضلا اور عظیم نسبتوں کے حامل اہل خیر چلے آئے ہیں، آپ کے پردادا جناب مولانا سید سلطان احمد شاہ صاحبؒ سرمایۂ ملت، رئیس المتکلمین، محدثِ عصر حضرت مولانا علامہ عبد العزیز پرہاڑویؒ متوفی ۱۲۳۹ھ، مولف ’’کوثر النبی ﷺ‘‘ کے معاصر اور ان کے خاص متعلقین میں سے تھے۔

حضرت مولانا عبد العزیز پرہاڑویؒ نے عقائد پر فارسی میں اشعار کا مجموعہ اپنی کتاب ’’ایمان کامل‘‘ کی تصنیف انہی کے ایماء پر کرائی تھی، جس میں حضرت پرہاڑویؒ کے منہ سے نکلنے والے مبارک اشعار کے کاتب اول بھی حضرت مولانا سید سلطان احمد شاہ صاحبؒ ہیں، یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ ’’ایمان کامل‘‘ کے مقدمہ میں سبب تالیف کے بیان میں مذکور ہے۔

حضرت مولانا سید نظام الدین شاہ صاحب اس وقت جامعہ تجوید القراء بی بلاک، لاہور میں قیام پذیر ہیں، اور جامعہ کی ادارت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں، آپ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے شاگرد اور ان کے زمانۂ تدریس ۱۳۶۸ھ بمطابق ۱۹۴۹ء میں جامعہ عباسیہ، بہاولپور کے فاضل ہیں، جس کے بعد درس حدیث کے شدتِ اشتیاق کے پیش نظر ۱۳۶۹ھ بمطابق ۱۹۵۰ء میں آپ نے جامعہ خیر المدارس ملتان سے دوبارہ دورہ حدیث کیا اور ۱۹۵۱ء سے

www.banuri.edu.pk

جامعہ احیاء العلوم مظفر گڑھ مدرس ہو گئے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۹۵۲ء میں ان سے جامعہ احیاء العلوم میں دیوان حماسہ اور دیوان متنبّی پڑھی ہے۔

ان حضرات کے علاوہ حافظ محمد وارث صاحبؒ گوراہ بھی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں، جن سے حفظ قرآن کے بعد آپ نے منزل کی دہرائی کی تھی۔

جنازہ وتدفین

۴ر رمضان المبارک شام سوا چھ بجے مولانا منظور احمد، استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان کی زیر اقتداء علماء وطلبا اور متوسلین کے ایک جم غفیر نے محمود کوٹ شہر ہائی سکول کے گراؤنڈ میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی اور بعد نماز مغرب سنانواں میں قبرستان شاہ نظام، نزد ٹبی موچیاں والا میں آپ کے جسد اطہر کو سپرد خاک کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس پاک روح کو اپنے جوار میں مقاماتِ عالیہ عطا فرمائیں اور جمیع متوسلین میں قرآن وسنت کے علوم وبرکات کی بہاریں قائم فرمائیں۔

پسماندگان میں آپ نے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں، سب کے سب قرآن پاک کے حافظ اور تین بیٹے عالم دین ہیں، سب سے بڑے بیٹے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحب تجربہ کار مدرس اور عرصہ سے خدمت حدیث میں مصروف ہیں۔ حال میں آپ جامعہ حفصہ للبنات مظفر گڑھ کے مدیر ہونے کے ساتھ ساتھ جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان کے شیخ الحدیث بھی ہیں۔ حضرت کی وفات کے بعد ۷ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک جب شوریٰ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، تو شوریٰ نے حضرت کی جگہ اہتمام کی ذمہ داری ان ہی کے سپرد کر دی۔ اللہ پاک حامی و ناصر ہوں۔

دوسرے بیٹے حافظ عبدالرحیم صاحب، تیسرے پروفیسر مولانا عبدالجلیل صاحب، چوتھے حافظ عبدالقیوم خیالی اور سب سے چھوٹے بیٹے مولانا عبدالحنان صاحب ہیں، ماشاءاللہ! سب کے سب اپنی اپنی وسعت کے بقدر دین کا کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائیں، اُن کے علمی واصلاحی سلسلوں کو جاری وساری رکھیں اور اس میں اپنی خاص نصرت سے نوازیں۔

www.banuri.edu.pk

شیخ الحدیث حضرت مولانا نور محمدؒ

مولانا محمود صاحب
بانی و مہتمم مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ پشتون آباد، کوئٹہ

پیدائش:

شیخ الحدیث حضرت مولانا نور محمدؒ ۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام لعل محمد تھا۔آپ کا تعلق خواجہ ذی قوم سے تھا، جوکہ ایک درویش قوم کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، سات سال کی عمر میں اپنے ماموں مولوی جمال الدین مرحوم کے ہمراہ بدوان چلے گئے، وہاں کی مسجد میں تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں اغبرگ،تو حصار،قلعہ کالسی کی مسجدوں سے بھی تعلیم حاصل کی، پھر مولانا عبدالغفور کے مدرسہ عربیہ مظہر العلوم شالدرہ میں ان کے شاگرد رہے۔تکمیلی کتابیں: خیالی، قاضی حمد اللہ،صدراء، ملاعبدالغفور وغیرہ حضرت مولانا عبداللہ جان غرشینان پشین والے کے ساتھ پڑھیں۔

بعد میں دین اسلام کی عظیم یونیورسٹی جامعہ دارالعلوم حقانیہ پشاور چلے گئے، وہاں پر موقوف علیہ اور دورۂ حدیث کی تعلیم حضرت مولانا عبدالحقؒ،مولانا عبدالحلیم زربویؒ،مولانا محمد علیؒ اور مفتی محمد فریدؒ سے حاصل کی۔ ۱۹٦۸ء(۱۳۸۹ھ) میں وفاق المدارس العربیہ کے امتحان میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے۔اس وقت وفاق المدارس کے صدر علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور ناظم اعلیٰ علامہ مفتی محمودؒ تھے۔درس نظامی کی مکمل تعلیم عرصہ تیرہ سال میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

اجازتِ حدیث:

حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتویؒ،حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا مفتی

محمودؒ سے ملی۔

قرأت وتجوید:

قرأت وتجوید کی تعلیم ۱۹۶۵ء بمطابق ۱۳۸۶ھ میں جامع مسجد عیدگاہ توغی روڈ میں حضرت مولانا قاری غلام نبیؒ سے حاصل کی۔

۱۹۶۸ء بمطابق ۱۳۸۹ھ میں جامعہ مخزن العلوم خان پور میں ترجمۂ قرآن حافظ الحدیث مفسرقرآن حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ سے پڑھا۔

درس وتدریس:

۱۹۶۹ء۱۳۹۰ھ میں مدرسہ مظہر العلوم شالدرہ میں سلم العلوم، کافیہ، میبذی وغیرہ کتابوں سے پڑھانا شروع کیا، یہاں تین سال متواتر درس دیتے رہے۔ بعدازاں دوسال جامعہ تجوید القرآن میں جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف، وغیرہ کا درس دیا۔اسی طرح کلی کواس ٹھنڈا زیارت میں مولانا نیاز محمدؒ کے مدرسہ کے بعد کلی شابو کے جامع مسجد عیدگاہ میں درس دیتے رہے۔ حضرت مولانا نور محمدؒ کے شاگرد پاکستان کے علاوہ افغانستان میں بھی موجود ہیں، جواپنے اپنے مدرسوں میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

تصانیف:

۱......مقدمۃ الحدیث،۲......انوار ایمان فی ظلمات الاوہام،۳......نور السیاسۃ الشرعیّۃ،۴......مقدمۃ القرآن۔

تبلیغ دینِ اسلام:

دینی تعلیم کو عام کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ قائم کیا، اس کے بعد ۱۹۷۷ء۱۳۹۸ھ میں پشتون آباد آخری اسٹاپ پر ایک مدرسہ دار العلوم اسلامیہ کا قیام عمل میں لایا، جس کا سنگِ بنیاد حضرت مولانا نور محمدؒ کے استاد حضرت مولانا عبد الحلیم زر بویؒ سے رکھوایا۔

سیاسی حالات:

درس وتدریس کے ساتھ ساتھ سیاست سے بھی وابستگی تھی اور شروع ہی سے جمعیت علمائے

اسلام سے منسلک تھے ۔۱۹۸۸ء میں جمعیت علماء اسلام کے ٹکٹ پر پی بی (ون) سے صوبائی اسمبلی بلوچستان کے ممبر منتخب ہوئے اور وزیر بلدیات کا قلمدان سنبھالا اور ساتھ ہی جمعیت علماء اسلام ضلع کوئٹہ کے امیر رہے۔

دوسری مرتبہ جمعیت علماء اسلام کے ٹکٹ پر ۲۰۰۲ء میں قومی اسمبلی این اے/ ۱۹۷ پر کوئٹہ سٹی کی سیٹ پر پشتونخواہ کے سربراہ محمود خان اچکزئی کو بھاری اکثریت سے شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

وزارت اور ممبر قومی اسمبلی بننے سے پیشتر کئی مرتبہ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں اور دورانِ وزارت بھی حضرت مولانا نور محمدؒ نے بادشاہی میں فقیری کے ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ دورِ اقتدار میں نہ جائداد بنائی، نہ اقرباء کو ملازمت پر رکھا۔ گاڑی تو دور کی بات، سائیکل بھی نہ خریدی اور زندگی کے آخری لمحوں تک نہ سیاست چھوڑی اور نہ ہی درس وتدریس کا سلسلہ منقطع کیا۔

حضرت مولانا نور محمد مرحوم شیخِ جمعیت علماء اسلام، عالم باعمل، مجاہد کبیر اور کوئٹہ کے اسامہ کے القاب سے مشہور تھے، یہی وجہ تھی کہ باطل پرست بھی آنجناب کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

رحلت:

بروز جمعۃ المبارک بعد نمازِ عصر ۵/اکتوبر ۲۰۱۲ء ۱۶/ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ کو دین اسلام کی یہ روشن شمع ہمیشہ کے لئے بجھ گئی۔

پسماندگانِ حضرتؒ:

ایک بھائی شیخ الحدیث مولوی عبدالقادر صاحب ہیں، جو اسی مدرسہ میں درس دے رہے ہیں۔ ان کے علاوہ دو فرزند مولوی محمود احمد اور مولوی سعید احمد اسی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوکر مدرسہ ہذا میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور تیسرا فرزند محمد اسماعیل درجہ سادسہ میں طالب علم ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو اپنے جوارِ رحمت میں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ پسماندگان، تلامذہ اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کے مشن، آپ کے فیض اور علم کو عام فرمائے۔

کیا صرف ''اضعافا مضاعفة یعنی دو گنا سود'' حرام ہے؟

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس بابت کہ:

قرآن کریم کی آیت مبارکہ ''یٰـأَیُّھَا الَّـذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَأْکُلُوْا الرِّبٰوا أَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً'' سے اس بات پر استدلال کرنا درست ہے کہ سود صرف وہی حرام ہے جو دو گنا یا تین گنا ہو، اس سے کم سود کا لین دین حرام نہیں؟ چونکہ بینکوں کا سود دو گنا یا تین گنا نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اس کا دلین دین حلال ہے؟

مستفتی: عبداللہ

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

قرآن کریم کی آیت مبارکہ ''یٰـأَیُّھَا الَّـذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَأْکُلُوْا الرِّبٰوا أَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً''یعنی ''اے ایمان والو! سود مت کھاؤ، کئی حصے زائد'' سے بعض لوگ غلط استدلال کرتے ہیں کہ سود کی صرف وہ شکل ممنوع ہے، جس میں سود بڑھا چڑھا کر وصول کیا جائے اور اگر سود کی شرح دو گنا نہ ہو تو ایسا سود ممنوع نہیں ہے۔

یہ استدلال چند وجوہ سے غلط ہے:

۱......: ہمارے علم کے مطابق آج تک اس آیتِ کریمہ سے یہ غلط استدلال گزشتہ صدی کے چند لادین حضرات کے علاوہ کسی نے نہیں کیا۔ امام ابوبکر جصاصؒ، علامہ زمخشریؒ، امام رازیؒ، حافظ ابن کثیرؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور علامہ محمود آلوسی رحمہم اللہ جیسے تمام مفسرین نے صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ آیت بالا میں ''أضعافا مضاعفة'' کا مقصد سود کی مطلق حرمت کے ساتھ ساتھ اس زمانے کی مخصوص ومعروف شکل کی ممانعت بیان کرنا بھی تھا۔ وہ صورت یہ تھی کہ قرض خواہ مقررہ وقت پر قرض

واپس نہ کرنے کی صورت میں مقروض شخص سے یہ کہہ کر سود بڑھایا کرتا تھا کہ ابھی ادا کریں، یا پھر واجب الاداء رقم کی مقدار میں اضافہ کریں، چنانچہ مقروض شخص مجبور ہوکر قرض کی مقدار میں اضافہ پر رضامند ہو جاتا اور ہر مدت پر یوں اضافہ در اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا، جسے قرآن کریم نے سود کی حرمت کے ضمن میں ''أضعافا مضاعفة'' کہہ کر بطورِ خاص ممنوع قرار دیا اور اُسے ظلم کی بدترین شکل قرار دیا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیرؒ (متوفی ۷۷۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"یقول –تعالیٰ– ناھیاً عبادَہُ المؤمنین عن تعاطی الربا وأکلِه أضعافاً مضاعفةً کما کانوا فی الجاھلیة یقولون إذا حل اجل الدین : إما أن تقضی وإما أن تربی، فإن قضاہ وإلا زادہ فی المدة وزادہ الآخر فی القدر ، وھکذا کل عام، فربما تضاعف القلیل حتی یصیر کثیراً مضاعفة". (تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۳۴، طبع: موسسة الریان)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو سود کے لین دین اور کھانے سے ''أضعافا مضاعفة'' کہہ کر منع فرماتے ہیں، جیسا کہ لوگ جاہلیت میں کرتے تھے کہ جب قرض کی ادائیگی کا وقت آتا تو کہتے کہ یا تو ادائیگی کرو یا سود دو۔ اگر ادائیگی کرتا تو ٹھیک، ورنہ وہ مدت میں اضافہ کرتا اور دوسرا مقدارِ رقم میں (اضافہ کرتا)، اس طرح ہر سال ہوتا، لہٰذا ایسا اوقات چھوٹی رقم دگنی ہوجاتی، یہاں تک کہ وہ کئی گنا ہوجاتی۔

۲......: جو لوگ عربی قواعدِ صرف ونحو (گرامر) سے واقف ہیں، اُنہیں مذکورہ اشکال نہ کبھی ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا، کیونکہ عربی گرامر کی رُو سے لفظ ''أضعافا مضاعفة'' ترکیب میں حالِ مقدرہ ہے، جس کے وقوع کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور آیت مذکورہ میں بھی چونکہ یہی مقصود تھا کہ وقت مقرر کے بعد آئندہ جب بڑھا چڑھا کر سود لیا جائے گا تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ رقم اصل مقدار کے کئی گنا کو پہنچ جائے گی۔ (بحوالہ سود کیا ہے؟ ص:۷۱، طبع: ادارۃ القرآن)

یہ ایک لغوی قاعدہ ہے، جو لوگ لغت عرب سے واقفیت رکھتے ہیں، اُنہیں مذکورہ آیت کا مقصد ومفہوم سمجھنے میں غلطی نہیں ہوسکتی اور جن جن متجدِّدین کو یہ غلطی لگی ہے، وہ درحقیقت عربی لغت کے ضروری قواعد کے علم سے بے بہرہ تھے، ان کی لاعلمی کو اُن کا عذر سمجھنا چاہیے، نہ کہ قرآنی آیت کا غلط مفہوم باور کرایا جائے۔

۳......: قرآن اور عربی اسلوبِ کلام سے واقفیت رکھنے والے حضرات سمجھتے اور جانتے ہیں کہ

www.banuri.edu.pk

اصطلاحی اعتبار سے ''أضعافا مضاعفة'' کی قید احترازی نہیں، بلکہ محض اتفاقی ہے، یعنی ''أضعافا مضاعفة'' کی قید کا یہ مقصد نہیں کہ اضافہ کی جو صورت دو چند یا اس سے زائد مقدار سے خالی ہو وہ جائز ہے، بلکہ یہ قید قرآن کریم کے ایک خاص اسلوب بیان اور اپنے مخصوص پسِ منظر کے تحت محض اتفاقی طور پر ذکر کی گئی ہے، جس کی تفصیلات کا یہاں موقع نہیں ہے،، یہاں صرف، اس کی ایسی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں جو خود قرآن کریم میں موجود ہیں، مثلاً:

(الف) ''وَلَاتَشْتَرُوْا بَأٰيٰتِیْ ثَمَناً قَلِيْلاً'' ۔ (البقرۃ:۴۱)

ترجمہ: ''اور مت لو بمقابلہ میرے احکام معاوضہ حقیر کو'' ۔

یہ آیت بنی اسرائیل کے ایک خاص عمل کی نفی کے لئے وارد ہوئی ہے، اس کا یہ مقصد کسی نے نہیں سمجھا کہ ثمن قلیل کے بدلے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا سودا جائز نہیں، ہاں! ثمن کثیر کے ساتھ ہو تو جائز ہے، کیونکہ ایسا استدلال کرنا سراسر جہالت پر مبنی کہلائے گا۔

(ب) ''اجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ'' ۔ (الحجرات:۱۲)

ترجمہ: ''بہت سے گمانوں سے بچو'' ۔

اس سے قلتِ ظن کے جواز پر استدلال کرنا جس طرح غلط ہے، اسی طرح سے ''أضعافا مضاعفة'' سے کم سود کے جواز پر استدلال بھی ایک سنگین غلطی ہے۔

(ج) ''وَلَاتُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّناً'' ۔ (النور:۳۳)

ترجمہ: ''اور زبردستی نہ کرو، اپنی باندیوں پر بدکاری کے واسطے اگر وہ پاک دامنی چاہیں'' ۔

''أضعافا مضاعفة'' سے سود کی حلت ثابت کرنے والی فکر یہاں یہ نہیں کہہ سکتی کہ جو دوشیزائیں پاک دامن رہنا نہیں چاہتیں، اُنہیں بدکاری پر مجبور کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی ایسی نادانی کرے تو اُسے سو فی صد غلط کہا جائے گا، کیونکہ ان قیودات کے مفاہیم ومطالب کے صحیح تعین اور فہم کے لئے ایک تو ان سترہ علوم (بالخصوص عربی گرامر) سے راسخانہ تعلق ضروری ہے جو قرآن فہمی کے لئے ضروری ہیں۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم کے اسلوبِ بیان سے مکمل واقفیت اور ممارست ضروری ہے، ورنہ وہی سنگین غلطی سرزد ہوگی، جس کے ازالہ کے لئے اہل علم کو یہ کوششیں کرنی پڑ رہی ہیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	رفیق احمد بالاکوٹی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

www.banuri.edu.pk

نقد و نظر

ادارہ

موافقاتِ سیدنا عمرؓ

مولانا حافظ لیاقت علی شاہ نقشبندی۔ صفحات: ۵۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ غفوریہ نزد جامعہ اسلامیہ درویشیہ، بی بلاک سندھی مسلم سوسائٹی کراچی

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ’’لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ‘‘ کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔ ایک اور حدیث میں آپؓ کو ’’مُحَدَّث‘‘ کہا گیا ہے، یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص الہامات کئے جاتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ اصابتِ رائے، دوراندیشی اور تدبر میں دوسرے صحابہؓ سے ممتاز تھے، چنانچہ کئی مواقع پر آپؓ کی رائے کو اللہ تعالیٰ نے سندِ تصدیق وتصویب عطا فرمائی اور آپؓ کا مشورہ اور رائے‘ شریعتِ اسلامیہ کا حکم قرار پائی۔ زیرِ نظر رسالہ میں ایسے اٹھارہ مواقع کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تصویب فرماکر تاقیامت دینِ اسلام کا جزو بنادیا۔

اسلام کے مایہ ناز جرنیل

مولانا حفیظ الرحمٰن فاروقی۔ صفحات: ۱۲۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: جامع مسجد عائشہ ومدرسہ فیض القرآن، سیکٹر B گلی نمبر: ۳۲ پہلوی روڈ منظور کالونی کراچی

زیرِ تبصرہ رسالہ مؤلف موصوف کی پانچویں کاوش ہے، قبل ازیں موصوف کی چار تالیفات طبع ہوکر دادِ تحسین وصول کرچکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر دورِ حاضر تک کے اکابرین کے وہ واقعات جمع کئے گئے ہیں جن سے اکابرین کی تحفظِ ختم نبوت کے سلسلہ میں کوششوں، ان کے والہانہ عشقِ رسول، دین کی راہ میں آنے والی مشکلات پر اُن کی جرأت واستقامت اور قربانیوں کا پتہ چلتا ہے، جنہیں پڑھ کر قاری کے دل میں بھی عشق رسول اور دین کی راہ میں آنے والی مشکلات پر جرأت واستقامت اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مذکورہ کتاب میں داعیانِ دین اور

مجاہدین اسلام کے لئے دلجمعی اور تسلی کا سامان ہے۔

خاموشی کی برکات

حضرت مولانا محمد سعید الانصاری۔صفحات:۱۳۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبہ غفوریہ، نزد جامعہ اسلامیہ درویشیہ کراچی

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''من صمت نجا''...... ''جو خاموش رہا اس نے نجات پائی'' اور دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''آدمی جب بات کرے تو خیر اور بھلائی کی بات کرے، ورنہ خاموش رہے''۔ انسانی اعضاء میں سب سے مہلک، خطرناک اور جہنم میں ڈالنے والا عضو زبان ہی ہے۔ جھوٹ، غیبت، گالم گلوچ اور سب وشتم سب وہ گناہ ہیں جو زبان سے صادر ہوتے ہیں، اسی لئے زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ اس رسالہ میں خاموشی کی برکات قرآن وحدیث کی نصوص اور اولیاء اللہ کے ملفوظات کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں۔ رسالہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، اگر کمپوزنگ میں تھوڑی سی مزید محنت کی جاتی تو یہ خاصے کی شئے بن جاتی۔

نقشُ الفرید

الحاج گوہر رحمان نقشبندی، مجددی فریدی۔صفحات: ۸۰۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔ ملنے کا پتہ: مکان نمبر: ۵۷، اسٹریٹ نمبر: ۳، سیکٹر پی-۱۔ فیز: ۴، حیات آباد، پشاور کے پی کے۔

جناب الحاج گوہر رحمٰن نقشبندی فریدی صاحب نے بڑی محنت، جدوجہد، کوشش اور کاوش سے شریعت اور طریقت کا تلازم، اس کے حصول کے طریقے، اس راہ میں حائل چور اور ڈاکو کی نشاندہی، اس سے بچنے کا طریقہ اور تصوف کی اہمیت اور ضرورت کو سہل الفاظ، دل نشین انداز اور عمدہ پیرائے میں مرتب کیا ہے۔ ہر مسلمان مرد وعورت کو اس رسالہ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، تاکہ وہ اس پر عمل کرکے اپنے نفس کی اصلاح کرسکیں اور نفس وشیطان جنہوں نے انسانیت کو اپنے شکنجے میں کسا ہوا ہے، ان سے اپنے آپ کو رہا کرا سکیں اور اس کے نتیجہ میں دنیا وآخرت کی کامیابیاں وکامرانیاں سمیٹ سکیں۔

تذکرہ وسوانح الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

مولانا عبدالقیوم حقانی۔صفحات: ۵۸۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہؓ، خالق آباد نوشہرہ۔

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے علماء، مشاہیر اور بزرگانِ دین کی سوانح لکھنے کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے۔ زیرِتبصرہ کتاب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہٗ کے

تذکرہ وسوانح پر مشتمل ہے، جسے بہت ہی عمدہ اور آسان انداز پر مرتب کیا گیا ہے۔ ٹائٹل پر اس کتاب کا یوں تعارف کرایا گیا ہے:

''ایمان افروز تذکرہ، جامع ،سوانح ،روح پرور افکار، انوکھے اور دلچسپ حالات، علمی مآثر، امتیازات وکمالات، حیات وخدمات، حیرت انگیز واقعات، اخلاق صفات اور سیرت وسوانح کا جامع مرقع۔ جدید اسلوب، نیا طرزِ تالیف، ابواب کا انعقاد، ایک عظیم تاریخی دستاویز، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا محمد یعقوبؒ، مولانا عاشق الٰہی، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، بالخصوص مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی تحریرات کی روشنی میں، جدید دور کے تقاضوں کے عین مطابق، ایک جامع، مکمل ایمان افروز داستانِ حیات......''۔

تذکرۃ الشریف

قاری تنویر احمد شریفی صاحب۔ صفحات: ۵۷۶۔ قیمت: ۴۰۰ روپے۔ ناشر: مکتبہ رشیدیہ بالمقابل مقدس مسجد اردو بازار، کراچی

زیرتبصرہ کتاب ماہرِ قرآن حضرت مولانا قاری شریف احمد نور اللہ مرقدہٗ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے، جسے ان کے پوتے حضرت مولانا قاری تنویر احمد شریفی صاحب نے اپنے دادا جان کی زندگی میں ہی مرتب کرلیا تھا، اور ہر واقعہ لکھنے کے بعد ان سے تصدیق کرالی تھی، اس اعتبار سے یہ کتاب ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کی پہلی اشاعت ۲۷رشعبان المعظم ۱۴۲۰ھ بمطابق ۶ردسمبر ۱۹۹۹ء میں ہوئی تھی۔ زیرتبصرہ کتاب اس کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ اس کتاب کو مؤلف نے ۲۰رابواب پر منقسم کیا ہے، جس میں آباء واجداد، تعلیم وتربیت، تزکیۂ نفس، تحریک آزادی میں حضرت قاری صاحبؒ کی راہ، نقشۂ اوقاتِ نماز، ترتیب، اعتراض، اعتماد وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

کتاب کا ٹائٹل، طباعت اور جلد ہر ایک اعلیٰ ہے، البتہ اس کتاب میں جاندار تصاویر کا لگانا سمجھ سے بالاتر ہے، اس لئے کہ تصاویر کے بارہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت وعیدات کسی عالم دین سے اوجھل نہیں۔ ایک بزرگ عالم دین جن کی ساری زندگی قرآن وسنت پر عمل کرتے ہوئے گزری، ان کے تذکرے میں کتاب کو ان تصاویر سے سے آلودہ کرنا چہ معنی دارد؟؟؟۔ مناسب ہوگا کہ اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کرلی جائے۔ إن أريد إلا الإصلاح مااستطعت۔